بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

ایک شہر کے متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ پڑھنے کا حکم
جمعہ کے لیے سلطان، اذنِ سلطان اور اذنِ عام کا حکم
گھر وغیرہ میں دروازہ کھول یا بند کر کے نمازِ جمعہ کا حکم
مخصوص اذنِ عام کے بغیر دنیا بھر میں عدمِ جوازِ جمعہ کے ایک فتوے پر کلام

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان
www.idaraghufran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

صفحات:

طباعتِ اول:

ملنے کے پتے

www.idaraghufran.org

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
6	تمہید (من جانبِ مؤلف)
9	تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت
//	سوال
12	جواب
14	ایک فتوے کے مندرجات پر کلام
40	تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت پر کلام
//	”الموسوعةُ الفقهية الكويتية“ کا حوالہ
43	”الفقهُ الاسلامي وادلتهُ“ کا حوالہ
47	شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا حوالہ
49	”شرح مختصرُ الطحاوی“ کا حوالہ
58	”الكافی فی الفروع“ کا حوالہ
60	”ابنِ کمال باشا“ کا حوالہ

	علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کا حوالہ	62
	’’تبیینُ الحقائق و حاشیةُ الشلبی‘‘ کا حوالہ	67
	’’الإختیار لتعلیل المختار‘‘ کا حوالہ	70
	’’فتاویٰ قاضیخان‘‘ کا حوالہ	73
	’’خلاصةُ الفتاویٰ‘‘ کا حوالہ	//
	’’الفتاویٰ التتارخانیة‘‘ کا حوالہ	74
	’’المبسوط للسرخسی‘‘ کا حوالہ	82
	’’المحیطُ البرهانی‘‘ کا حوالہ	98
	’’تحفةُ الفقهاء‘‘ کا حوالہ	102
	’’بدائعُ الصنائع‘‘ کا حوالہ	103
	’’فتحُ القدیر‘‘ کا حوالہ	113
	’’البنایة شرحُ الهدایة‘‘ کا حوالہ	115
	’’قنیة المنیة لتتمیم الغنیة‘‘ کا حوالہ	117
	’’شرحُ العینی علی الکنز‘‘ کا حوالہ	118
	’’البحرُ الرائق‘‘ کا حوالہ	119
	’’منحةُ الخالق‘‘ کا حوالہ	122
	’’النهرُ الفائق‘‘ کا حوالہ	124
	’’مجمعُ الأنهر‘‘ کا حوالہ	126
	’’شرحُ الوقایة‘‘ کا حوالہ	128

www.idaraghufran.org

	”شرحُ النقاية“ کا حوالہ	129
	”الجوهرُ النيرة“ کا حوالہ	132
	”دررُ الحكام شرح غرر الأحكام“ کا حوالہ	//
	”غمز عيونِ البصائر“ کا حوالہ	133
	”مراقيُ الفلاح و حاشيةُ الطحطاوی“ کا حوالہ	//
	”الدرُّ المختار وردُّ المحتار“ کا حوالہ	139
	”الدرُّ المختار“ کا حوالہ	142
	”حاشيةُ الطحطاوی على الدرالمختار“ کا حوالہ	143
	”ردُّ المحتار“ کا حوالہ	145
	علامہ شامی کے موقف پر شبہات کا ازالہ	151
	خلاصۂ کلام	169

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

دنیا بھر میں مخصوص کرونا وائرس (Coronavirus) کی بناء پر ایک عرصہ سے لاک ڈاؤن کا سماں ہے، جس کے نتیجہ میں لوگ اپنے گھروں میں محصور ہوکر رہ گئے ہیں۔

موجودہ وائرس کے اثرات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال سے دنیا بھر کی معاشرت میں ایک لمحہ کے لیے بہت کچھ بدل کر رہ گیا ہے، اور لگتا ہے کہ قدرت کی طرف سے انسانیت کو فطرت کی طرف پلٹنے کی ایک زوردار دعوت دی گئی ہے، تاکہ وہ دنیا میں ہونے والی موجودہ بے جا نقل وحرکت اور فضول اختلاط اور ناجائز میل جول سے اجتناب اور کنارہ کشی اختیار کرے، جس کا گزشتہ زمانوں میں کوئی تصور ہی نہیں تھا۔

اس وقت دنیا بھر میں بسنے والے انسانوں کو بے جا نقل وحرکت، میل وجول اور فضول اختلاط وغیرہ کے نقصانات سے، آگاہ کرنے اور ہونے کا یہ عمدہ موقع ہے، بشرطیکہ اپنے آپ کو فضولیات ولغویات سے بچایا جائے، جن میں آج گھروں میں بیٹھ کر بھی لوگ مبتلا ہیں، جس کا اہم ذریعہ، سوشل وغیر سوشل میڈیا ہے۔

مخصوص وائرس کی موجودہ صورتِ حال میں، اسلام کی فطرت پر مبنی بہت سی تعلیمات و ہدایات بھی کھل کر سامنے آئی ہیں، خاص کر صفائی وستھرائی اور طہارت وپاکیزگی کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا ایک ایک فطری پہلو، اس وقت فرد فرد کی زبان پر ہے، وہ الگ بات ہے کہ اس کو اسلام کی طرف منسوب کرنے میں لاعلمی، بخل، یا ضد وعناد وغیرہ حائل ہے۔

اس لاک ڈاؤن (Lockdown) کے ماحول میں ایک اور پہلو دینی حوالے سے یہ محسوس ہوا کہ ہمارا علم وفقہ اور افتاء سے وابستہ ایک بڑا طبقہ، علم وتحقیق اور فقہ وتفقہ میں کافی پیچھے ہے، ابوابِ فقہ کے اہم ترین ابواب پر بھی روایتی امور سے ہٹ کر گہری نظر رکھنے والی

www.idaraghufran.org

شخصیات وافراد کی بڑی کمی ہے۔

اور ہنگامی حالات میں پیش آنے والے غیر معمولی مسائل واحکام کے لیے پہلے سے تیاری کا معیار بھی کمزور تر ہے، جس کی وجہ سے عین وقت پر کسی نئی صورتِ حال کا سامنا کرنے پر تذبذب اور پریشانی کا اظہار ہوتا ہے۔

چنانچہ موجودہ صورتِ حال میں مساجد سے ہٹ کر، پنجگانہ نمازوں، تراویح اور خاص طور پر جمعہ کی نماز اور خود کرونا وائرس کے حوالے سے جس قسم کی دینی آراء سامنے آتی رہیں، اور ان کا سلسلہ اب تک جاری ہے، ان میں عجیب وغریب قسم کے تبصرے اور فتوے علم وفقہ کی صلاحیتوں کے جوہر کھولنے کا ایک نمونہ ثابت ہوئے۔

ایک عرصہ سے اہلِ علم واہلِ افتاء کی طرف سے روزمرہ کی بنیادوں پر جاری ہونے والے فتاویٰ وآراء کے متعلق تو مشاہدہ یہی بتلاتا رہا ہے کہ موجودہ دور میں دین اور علم وفقہ پر غیر رسمی اور غیر روایتی نوعیت کی عمیق اور گہری نظر رکھنے والی شخصیات، کی بڑی کمی، بلکہ فقدان پایا جاتا ہے، البتہ جوشِ خطابت اور الفاظ کی بناوٹ میں بہت کچھ مہارت حاصل ہے، جس کا اندازہ دینی ومذہبی پروگراموں کے دوران ہونے والے بہت سے بیانات وخطابات، اور دینی رسائل وجرائد میں شائع ہونے والے تبصروں وتجزیوں، اور سوشل وغیر سوشل میڈیا پر نشر ہونے والے کلپس (Clips) اور میسجز (Massages) وغیرہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

فقہ کے وہ جزئیات، جو ہزاروں سال پہلے کے مخصوص ماحول میں تحریر کیے گئے تھے، موجودہ حالات میں، جبکہ بہت کچھ تبدیلی آچکی ہے، اور قربِ قیامت کے بہت سے آثار ظاہر ہوچکے ہیں، ہمارے اصحابِ علم وفقہ کا ایک بڑا طبقہ، صدیوں، بلکہ ہزاروں سال قبل کے تمدن وعرف پر مبنی ان جزئیات سے ذرا انحراف کے لیے تیار نہیں، اور ان پر پوری طرح جمود اختیار کیے ہوئے ہے، حالانکہ بہت سے مسائل عرف ورواج پر مبنی ہوتے ہیں، اور عرف بدلنے سے ان کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔

اب بجائے اس کے کہ اپنے زمانے کے عرف وتمدن کو پیشِ نظر رکھ کر اس قسم کے احکام پر غور وفکر کیا جائے، ایک طبقہ کی طرف سے اس کے برعکس سابق زمانوں کے عرف وتمدن پر مبنی ان جزئیات کے بعینہٖ، اپنے زمانے کے عرف پر انطباق کی جستجو کی جاتی ہے، اور اس مقصد کے لیے خوب کھینچ تان کی جاتی ہے، اور انطباق نہ ہونے کی صورت میں طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کیا جاتا ہے، اور اگر کسی دوسرے کی طرف سے سابق اور موجود عرف میں فرق کا لحاظ کر کے حکم میں فرق بیان کیا جائے، تو اس کو گوارا نہیں کیا جاتا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں، اس طرح کے اہلِ علم حضرات کے جمود نے نوبت یہاں تک پہنچادی ہے کہ شریعت کے قطعی اور متفق علیہ فریضۂ جمعہ کو فقہ کے بعض نادر اور مبہم جزئیات کی وجہ سے ساقط اور معطل قرار دینے کی جرائت کی جارہی ہے، اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس قسم کے جزئیات کی وجہ سے ایک قطعی اور متفق علیہ فرض اور اہم شعارِ اسلامی کے ترک کی برملا دعوت دی جارہی ہے، جبکہ اس قسم کے جزئیات کا موجودہ حالات میں انطباق بھی پوری طرح موجود نہیں۔

بندہ اس سے قبل بھی موجودہ حالات کے نتیجے میں سامنے آنے والے بعض دیگر مسائل پر حسبِ ضرورت مختصر یا مفصل کلام کر چکا ہے۔

ابھی جمعہ کی نماز کے حوالے سے ایک نرالا فتویٰ اور اس سے متعلق استفتاء سامنے آیا، اس فتوے میں علم وفقہ کے اعتبار سے متعدد، نرالے تسامحات اور کمزوریاں محسوس ہوئیں، جو قارئین کو آنے والے مضمون میں معلوم ہوسکیں گی۔

اللہ تعالیٰ فہمِ صحیح وفہمِ سلیم عطاء فرمائے۔ آمین۔

فقط۔ وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

محمد رضوان خان

12 / رمضانُ المبارک / 1441ھ 06 / مئی / 2020 بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

سوال

جناب مفتی صاحب!

ملک میں موجودہ حالات کے اندر، آپ نے فقہ حنفی کے مطابق کم از کم چار آدمیوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے کا شرعی حکم بیان کیا تھا، دارُالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی اسی نوعیت کا ہے۔

لیکن ہمیں آج کراچی شہر کے ایک مفتی صاحب کا فتویٰ دستیاب ہوا، جس میں انہوں نے موجودہ حالات میں جمعہ کے بجائے، ظہر کی نماز کا حکم لکھا ہے، خواہ گھر ہو، یا مسجد ہو، ان کا کہنا ہے کہ بحالاتِ موجودہ گھروں میں اور مسجدوں میں اذنِ عام کی تعریف، صادق نہیں آ رہی، اس لیے جمعہ کی نماز جائز نہیں ہوگی، بلکہ تمام حضرات، ظہر کی نماز اداء کریں گے۔

انہوں نے اپنے فتوے میں لکھا کہ جمعہ کی نماز کے جواز کی جو سات شرائط فقہاء نے ذکر کی ہیں، ان میں ایک شرط سلطان، یا اس کے نائب کی ہے، جبکہ ایک دوسری اہم شرط اذنِ عام کی ہے۔

اور دروازے بند کرنے سے اذنِ عام کی شرط فوت ہوجاتی ہے، خواہ گھر کے دروازے بند ہوں، یا مسجد کے دروازے بند ہوں۔

اور علامہ شامی نے جو تعددِ جمعہ کی صورت میں اذنِ عام کی شرط نہ ہونے کا ذکر کیا ہے، یہ ان کا تفرد ہے۔

پھر آخر میں انہوں نے اپنے جوابات کو مندرجہ ذیل نمبروں میں ذکر کیا ہے:

(1)......اذنِ عام، شرائطِ جمعہ میں سے ایک شرط ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس جگہ جمعہ ادا کیا جا رہا ہے، اس کے دروازے نمازیوں کے لیے کھلے ہوں، اگر

www.idaraghufran.org

باہر سے کسی کو آنے کی اجازت نہ دی جائے، تو جمعہ ادا نہیں ہوگا۔

(2)......اذنِ عام کی شرط، اگرچہ ”نوادر“ کی روایت ہے، لیکن یہ شرط ”اوفق بالقرآن والسنۃ“ ہے، نیز فقہائے متاخرین کی اکثریت نے اسے اختیار کیا ہے، جبکہ کسی فقیہ نے بھی اس کا رَد نہیں کیا، لہٰذا ”ظاھرُ الروایۃ“ کے مقابلے میں، اصولاً یہی راجح ہوگی ”کما قدمناہ مفصلًا“

(3)......اذنِ عام کی یہ شرط، صرف رعایا کے لیے نہیں، بلکہ خود حاکم کے لیے بھی شرط ہے، اگر حاکم بھی اپنے محل یا قلعہ میں دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ ادا کرتا ہے کہ باہر سے کسی کو آنے کی اجازت نہیں، تو اس صورت میں حاکم وسلطان کا جمعہ ادا نہ ہوگا۔

(4)......اذنِ عام کی شرط، ایک ایسی شرط ہے، جو انعقادِ جمعہ کے لیے ضروری ہے، چاہے حاکم ہو، یا عام نمازی، اس شرط کو حضرت امامُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں معطل نہیں کیا، تو دوسرے کو یہ حق کیسے حاصل ہوگا؟ ”کما قدمناہ مفصلًا“

(5)......حکمِ حاکم، رافع للخلاف، مسئلہ میں نہیں چلے گا، اس کا مفصل جواب، ہم گزشتہ صفحات میں دے چکے ہیں۔

(6)......علامہ شامی رحمہ اللہ، نے تعددِ جمعات کی وجہ سے جو استثناء فرمایا ہے، وہ ان کا تفرد ہے، جو خود ان کے بیان کردہ اصول وجزئیات، نیز کتبِ فقہ کے عموم کے خلاف ہے، لہٰذا مرجوح ہے، جیسا کہ تفصیلی بحث میں گزشتہ صفحات پر گزر چکا ہے۔

(7)......جمعہ کے انعقاد میں سلطان کی شرط ہونے کا، مقصد بھی اذنِ عام کی شرط پر عمل کروانا ہے، جیسا کہ مبسوط سرخسی کے حوالہ سے ہم نے ذکر کیا، لہٰذا جن

ممالک میں اسلامی حکومت نہیں ہے، بلکہ غیر مسلم حکمران ہیں، تو ایسی صورت میں اگر اذنِ عام کی شرط متحقق ہو جاتی ہے، تو نمازِ جمعہ جائز ہوگی، نیز موجودہ صورت میں جبکہ ان تمام ممالک میں حکومت کی طرف سے مساجد میں جمعہ وغیرہ پڑھنے پر پابندی ہے، لہٰذا اذنِ عام نہ ہونے کی وجہ سے ان تمام ممالک میں بھی جمعہ کی نماز جائز نہ ہوگی، بلکہ تمام حضرات چاہے مساجد میں ہوں، یا گھروں پر، ظہر کی نماز ہی ادا کریں گے۔

(8)......جن حضرات نے حکومت کی پابندی کے باوجود، جمعہ کی نماز مسجد میں ادا کی، بشرطِ اذنِ عام کہ تمام نمازیوں کے لیے مسجد کے دروازے کھلے ہوں، پائی گئی، تو ان لوگوں کی نمازِ جمعہ ادا ہوگئی، اگرچہ امرِ حاکم کی مخالفت کی بناء پر یہ لوگ گناہ گار ہوں گے۔

(9)......اذنِ عام کی راجح تعریف کی بناء پر موجودہ صورتِ حال میں مساجد اور گھروں میں نمازِ ظہر ادا کی جائے گی، یہی **اقرب الی الاحتیاط** ہے، جس کی تفصیل ہم نے گزشتہ صفحات پر بیان کردی۔

(10)......اگر ان مقامات (چھاؤنیاں، فیکٹریاں، فلیٹ وغیرہ) پر اندر مساجد موجود ہیں، اوران مساجد میں ان مقامات کے اندر، موجود افراد کو نماز سے نہیں روکا جاتا، اس صورت میں ان کا جمعہ ادا ہو جائے گا۔

هٰذا ما ظهر لي من الفتاح الوهاب

كتبهٗ ...... 01\04\2020

....

اگر آپ مندرجہ بالا امور پر بھی فرداً فرداً اپنی رائے سے آگاہ فرمادیں کہ آپ کو ان شقوں سے اتفاق ہے، یا اختلاف، تو آپ کے موقف کو سمجھنا آسان ہوگا۔ جزاکم اللّٰہ تعالیٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

ہمیں دلائلِ شرعیہ وفقہیہ اور بالخصوص محققینِ حنفیہ کے قواعد وتصریحات کے تناظر میں مذکورہ فتوے سے اتفاق نہیں ہوسکا۔

جمعہ کی نماز، باجماعِ امت فرض ہے، اوراس کی تاکید روزمرہ کی نمازِ ظہر سے زیادہ ہے۔

جمعہ کی نماز کو خاص ''شعارِ اسلام'' ہونے کا بھی امتیازی شرف حاصل ہے۔

اور مذکورہ فتوے میں جس طرح موجوہ حالات میں یکلخت ، بیک جنبشِ قلم ، دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس شعارِ اسلامی سے محروم کرنے کا حکم لگایا گیا ہے، یہ انتہائی غیر محتاط وغیر ذمہ دارانہ موقف ہے۔

اصحابِ علم وفقہ اور مقتدائے دین سمجھے جانے والے طبقہ کی طرف سے اس قسم کے فتاویٰ وآراء کا صادِر وجاری ہونا، افسوس وحیرت کا باعث ہے۔

اسلامی شعار کو قائم رکھنے کے لیے تو شریعت اور فقہائے کرام نے جابجا تنزل اختیار کرلیا ہے، اور اگر کوئی اسلامی شعار، اپنی جملہ صفاتِ کاملہ کے ساتھ انجام نہ دیا جاسکے، تب بھی اس کی بقاء کی خاطر کئی صفات میں نرمی وسہولت پیدا کر کے اس شعارِ اسلامی کو قائم وباقی رکھنے پر زور دیا گیا ہے، اور اسلام کی تعلیمات، تاقیامت ہر زمانے میں قابلِ عمل ہیں، جن کے عمل کی شکلیں وصورتیں مختلف زمانوں وعلاقوں کے اعتبار سے مختلف ومتنوع اور شدید وخفیف وغیرہ ضرور ہوسکتی ہیں، لیکن پوری طرح معطل نہیں ہوتیں، جبکہ نرالے مفتی صاحب کے مذکورہ فتوے نے شریعت کے اس اہم آئین کو دنیا بھر کے مسلمانوں سے معطل ہی کردیا، جو لاک ڈاؤن (Lockdown) جاری رہنے والے پورے عرصہ تک ان کے نرالے فتوے کی رُو سے معطل ہی رہے گا، لیکن صرف کاغذوں میں، کیونکہ بحمداللہ تعالیٰ ہندوستان وپاکستان اور دنیا بھر کے بیشتر علاقوں میں کسی نہ کسی شکل میں مسلمانوں نے اس شعار کو زندہ رکھا ہوا ہے، اور بالکل معطل نہیں ہونے دیا، دارالعلوم دیوبند اور پاکستان کے بعض بڑے جامعات کی

طرف سے موجودہ حالات میں نمازِ جمعہ کو اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ قائم دائم رہنے کے فتاویٰ بحمداللہ تعالیٰ بروقت جاری ہوئے، جن کی وجہ سے مخالف فتاویٰ و آراء کا زورِ قلم زیادہ تر کاغذوں اور باتوں تک محدود رہا۔

اس عرصے میں الحمدللہ تعالیٰ دنیا بھر کی لاکھوں مساجد اور غیر مساجد میں محدود وغیر محدود سطح پر جمعہ کی نمازیں قائم وجاری ہیں، یہاں تک کہ حرمین شریفین میں بھی محدود پیمانہ پر نمازِ جمعہ کا قیام جاری ہے۔

اور مفتی صاحب موصوف کے نرالے فتوے کی رُو سے ان تمام جمعوں کا جواز ہی محلِ نظر ہے۔

آگے ہم اس موضوع پر کچھ تفصیل سے کلام کرتے ہیں، جس کے ضمن میں ان شاء اللہ تعالیٰ، بغیر کسی لاگ لپیٹ کے مذکورہ فتوے کے مندرجات پر بھی تبصرہ شاملِ حال رہے گا۔

واللہ الموفق.

www.idaraghufran.org

ایک فتوے کے مندرجات پر کلام

مفصل کلام سے پہلے مذکورہ فتوے کے سوال میں ذکر کردہ مندرجات پر بالترتیب ہماری رائے درج ذیل ہے۔

(1)......اس نمبر سے ہمیں علی الاطلاق اتفاق نہیں، نیز اس میں بہت زیادہ اجمال وابہام بھی پایا جاتا ہے، جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

اوّلاً یہ بات واضح کرنے کی ضرورت تھی کہ اِذنِ عام کن فقہائے کرام کے نزدیک شرط ہے، کیونکہ اس وقت نمازِ جمعہ کا مسئلہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو درپیش ہے، جن کے متعلق مذکورہ فتوے میں تصریح بھی ہے، اور دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف فقہائے کرام اور مجتہدینِ عظام سے وابستہ عوام وعلماء کا بڑا طبقہ موجود ہے، اور غیر حنفی فقہائے کرام اِذنِ عام کو شرط ہی قرار نہیں دیتے، نیز ہمارے یہاں بھی ایسے عامیوں کی کمی نہیں، جن کا حسبِ تصریحِ فقہاء کوئی مذہب نہیں ہوتا، اور ان کو اپنے حسبِ اعتماد مفتی کے فتوے پر عمل کرلینا جائز ہوتا ہے، خواہ وہ مفتی دوسروں سے مفضول اور مذکورہ نرالے مفتی صاحب کے علاوہ کیوں نہ ہو۔

اور اس وقت دنیا بھر کے بہت سے اصحابِ فقہ وافتاء، جوازِ جمعہ کے فتاویٰ جاری فرما چکے ہیں۔

اگر کچھ لوگوں نے ان کے فتوے وقول پر عمل کرتے ہوئے اذنِ عام کے بغیر اور دروازے بند کر کے جمعہ پڑھا، تو کیا ان کا جمعہ ادا نہ ہوگا؟ [1]

---

[1] مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الأفضل:ثم اعلم أنه ذکر فی التحریر وشرحه أیضا أنه یجوز تقلید المفضول مع وجود الأفضل .وبه قال الحنفیة والمالکیة وأکثر الحنابلة والشافعیة. وفی روایة عن أحمد وطائفة کثیرة من الفقهاء لا یجوز .ثم ذکر أنه لو التزم مذهبا معینا .کأبی حنیفة والشافعی، فقیل یلزمه، وقیل لا وهو الأصح اهـ وقد شاع أن العامی لا مذهب له.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس کے علاوہ بعض حنفیہ کے نزدیک جب نمازِ جمعہ سے منع کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ کسی اور وجہ سے نمازِ جمعہ والے مقام کے دروازے وغیرہ بند کرنا، یا وہاں داخلے سے روکنا مقصود ہو، یا شہر کے متعدد مقامات پر باضابطہ جمعہ کی نمازیں قائم ہوں، اس وقت حنفیہ کی مخصوص نادرُ الروایت کے مطابق بھی سب کے لئے اِذنِ عام کی شرط لازم نہیں رہتی، جس کے مطابق کئی اصحابِ فقہ وفتاویٰ کی طرف سے موجودہ حالات میں فتاویٰ جاری ہوچکے ہیں۔

پس کیا ان کے قول پر عمل کرنے والوں کا جمعہ بھی اداء نہیں ہوگا؟ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا علمت ذلك ظهر لك أن ما ذكر عن النسفي من وجوب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ مبني على أنه لا يجوز تقليد المفضول وأنه يلزمه التزام مذهبه وأن ذلك لا يتأتى في العامي.

وقد رأيت في آخر فتاوى ابن حجر الفقهية التصريح ببعض ذلك فإنه سئل عن عبارة النسفي المذكورة، ثم حرر أن قول أئمة الشافعية كذلك، ثم قال إن ذلك مبني على الضعيف من أنه يجب تقليد الأعلم دون غيره.

والأصح أنه يتخير في تقليد أي شاء ولو مفضولا وإن اعتقده كذلك، وحينئذ فلا يمكن أن يقطع أو يظن أنه على الصواب، بل على المقلد أن يعتقد أن ما ذهب إليه إمامه يحتمل أنه الحق .قال ابن حجر :ثم رأيت المحقق ابن الهمام صرح بما يؤيده حيث قال في شرح الهداية :إن أخذ العامي بما يقع في قلبه أنه أصوب أولى، وعلى هذا استفتى مجتهدين فاختلفا عليه الأولى أن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما .وعندي أنه لو أخذ بقول الذي لا يميل إليه جاز؛ لأن ميله وعدمه سواء ، والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل .اهـ.(رد المحتار على الدر المختار، ج ا ،ص۴۸،مقدمة)

مطلب العامي لا مذهب له قلت :وأيضا قالوا العامي لا مذهب له، بل مذهبه مذهب مفتيه، وعلله في شرح التحرير بأن المذهب إنما يكون لمن له نوع نظر واستدلال وبصر بالمذهب على حسبه، أو لمن قرأ كتابا في فروع ذلك المذهب وعرف فتاوى إمامه وأقواله.

وأما غيره ممن قال أنا حنفي أو شافعي لم يصر كذلك بمجرد القول كقوله أنا فقيه أو نحوي اهـ. وتقدم تمام ذلك في المقدمة أول هذا الشرح(رد المحتار على الدر المختار، ج۴،ص۸۰، كتاب الحدود،باب التعزير)

[1] امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

اذنِ عام ہونا بھی منجملہ شرائطِ صحتِ جمعہ ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا، وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذنِ عام میں مخل نہیں۔

في الدرالمختار: والإذن العام من الامام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كاف فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لاهله وغلقه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ثانیاً مذکورہ فتوے میں اِذنِ عام کے جو یہ معنیٰ بیان کیے جارہے ہیں کہ دروازے نمازیوں کے لئے کھلے ہوں، تو یہ اذنِ عام نہ ہونے کی ایک خاص صورت ہے، ورنہ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمعہ قائم کرنے کے لئے جب عمارت ضروری نہ ہو، بلکہ کھلی فضاء، فناءِ مصر اور کھلی عیدگاہ وغیرہ میں بھی نمازِ جمعہ جائز ہو، اور شرعی وقف شدہ ایسی مسجد میں بھی، جہاں باجماعت نماز ہوتی ہو، اور وہ مسجد صرف چبوترے، یا صحن کی شکل میں قائم ہو، چھت بھی نہ ہو، اور اگر چھت تو ہو، مگر دروازہ نہ ہو، یا حاکم، عوام کے علم میں لائے بغیر خود سے کسی کھلی جگہ جمعہ قائم کرے، تو ایسے مقامات پر دروازے کھولنے کے یہ معنیٰ کس طرح صادق آئیں گے؟

جبکہ حنفیہ کی ''نوادرُ الروایۃ'' والی اصل روایت، حاکم کے عوام کے علم میں لائے بغیر جمعہ قائم کرنے کی ہے، جس سے اذنِ عام کے مسئلہ کو اخذ کیا گیا ہے، اس روایت میں دروازے بند کرنے کا ذکر ہی نہیں، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔

ثالثاً اگر باہر سے کسی کو آنے کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں جمعہ اداء نہ ہو، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نمازِ جمعہ قائم کرنے والے عملے اور انتظامیہ کے افراد تو نمازیوں کو نہ روکیں، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لمنع العدو لا المصلى، نعم لو لم يغلق لكان أحسن اھ۔

فی ردالمحتار: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (ج ا ص ۸۵۱)

پس بناء بر روایتِ بالا، اس قلعہ میں نمازِ جمعہ درست ہے (امداد الفتاویٰ، ج۱ص ۴۸۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: جولائی 2010ء)

امدادُ الاحکام میں ہے کہ:

اور یہ سب تفصیل جب ہے، جبکہ وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہے، اور اگر دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو، تو بہرحال جمعہ جائز ہوجائے گا۔

فی الشامی "قلت: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل"

پس صورتِ مسئولہ میں جمعہ صحیح ہوتا رہا (امداد الاحکام، ج۱، ص ۷۸۳، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

کھلی فضاء میں نمازِ جمعہ کو اداء کیا جارہا ہو، یا عمارت میں دروازے کھول کر نمازِ جمعہ کو اداء کیا جارہا ہو، لیکن پولیس، یا فوج کے پہرے داری، یا قانونی گرفت کی وجہ سے نمازِ جمعہ میں بہت سے ایسے افراد کو شریک نہ ہونے دیا جائے، جن پر فی نفسہٖ جمعہ کی نماز فرض ہے، جیسا کہ کرفیو، یا فتنہ وفساد وغیرہ پھیلنے کے زمانے میں ہوتا ہے، یا کسی وباء وغیرہ کی وجہ سے، مثلاً مخصوص عمر سے زیادہ کے افراد کو، یا نزلہ، زکام، کھانسی وغیرہ کے مریضوں کو، یا دوسرے مخصوص مریضوں کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے منع کردیا جائے، یا مخصوص تعداد کے بعد مزید افراد کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے روک دیا جائے، یا مثلاً غیر معمولی فاصلہ پر صفیں بنانے اور کھڑے ہونے کی وجہ سے مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے جگہ تنگ پڑ جانے کے باعث بہت بڑے مکلّف بالجمعہ طبقہ کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے روک دیا جائے، تو کیا یہ بھی اِذنِ عام کے لیے مانع ہوگا؟ کیونکہ حسبِ تصریحِ حنفیہ، اِذنِ عام مکلّف بالجملہ تمام افراد کو شرکت کی اجازت دینے سے ہی متحقق ہوتا ہے، اور اذنِ عام ایسے محافظوں کا پہرہ بٹھا دینے سے بھی متأثر ہوجاتا ہے، جو مکلّف بالجمعہ کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے روکیں، خواہ دروازے کھلے ہوں۔ [1]

---

[1] (قوله الإذن العام) أی أن یأذن للناس إذنا عاما بأن لا یمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذی تصلی فیه وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار (رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص ۱۵۱، کتاب الصلاة،باب الجمعة)

(قوله لأن الإذن العام مقرر لأهله) أی لأهل القلعة لأنها فی معنی الحصن والأحسن عود الضمیر إلی المصر المفهوم من المقام لأنه لا یکفی الإذن لأهل الحصن فقط بل الشرط الإذن للجماعات کلها کما مر عن البدائع (رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص ۱۵۲، کتاب الصلاة،باب الجمعة)

(ومنها الإذن العام) وهو أن تفتح أبواب الجامع فیؤذن للناس کافة (الفتاوی الهندیة، ج۱،ص ۱۴۸، کتاب الصلاة)

والشرط السادس :الإذن العام، وهو أن تفتتح أبواب الجامع، ویؤذن للناس کافة حتی أن جماعة لو اجتمعوا فی الجامع وأغلقوا الأبواب علی أنفسهم وجمعوا لم یجزئهم ذلک وکذلک إذا أراد السلطان أن یجمع بحشمه فی داره، فإن فتح باب الدار، وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدها العامة أو لم یشهدوها، وإن لم یفتح باب الدار وأغلق الأبواب کلها، وأجلس علیها البوابین لیمنعوا الناس عن الدخول لم تجزئهم الجمعة (المحیط البرهانی، ج۲،ص ۸۵،کتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة)

تو کیا مذکورہ صورتوں میں دروازے نہ ہونے، یا دروازے کھول کر بھی اِذنِ عام متحقق ہو جائے گا؟ اگر نہیں، تو دروازے کھولنے کے جو معنیٰ اذنِ عام کے مذکورہ فتوے میں بیان کیے گئے، ان کا کیا بنے گا۔

رابعاً اگر نمازِ جمعہ کھڑی ہونے سے پہلے تو دروازے کھلے تھے، لیکن نماز کے دوران دہشت گردوں، بلوائیوں، شرپسندوں، یا متعصب غیر مسلموں کے حملہ وغیرہ کے ڈر سے نمازیوں کی حفاظت کے لیے، دروازے بند کر دیئے گئے، تو کیا یہ بھی اذنِ عام کے خلاف اور نمازِ جمعہ کی صحت کے لیے مانع ہوگا؟ جبکہ نمازِ جمعہ، دروازے بند کر کے ادا کیا جا رہا ہے، اور اس وقت آنے والوں کو جمعہ میں شرکت سے روک دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں اذنِ عام موجود نہ رہا۔

خامساً اگر کسی مسلمان بادشاہ، یا وزیرِ اعظم، یا مثلاً بڑے فوجی افسر، یا کسی دوسرے حساس عہدیدار، بلکہ دینی و مذہبی مقتداء شخص کو دہشت گردوں سے سخت خطرہ ہے، اور وہ شخص کسی مسجد میں نمازِ جمعہ اداء کرتا ہے، اور اس کی حفاظت وسیکورٹی کی خاطر دروازے بند کر دیئے گئے، یا اجنبی لوگوں کو، مثلاً جن کے پاس مخصوص شناختی کارڈ، یا داخلے کا مخصوص اجازت نامہ نہ ہو، وہاں داخل ہونے سے روکا جا رہا ہے، جبکہ وہ مکلّف بالجمعہ ہیں، تو کیا وہاں جمعہ کے لیے داخلہ کی اجازتِ عام واذنِ عام نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح جمعہ پڑھنے والے لوگوں کا جمعہ اداء نہیں ہوگا؟

جبکہ مسجد کے امام، انتظامیہ، اور نمازِ جمعہ میں شریک عام نمازیوں کی طرف سے اذنِ عام میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں ڈالی گئی، اور جس کی وجہ سے رکاوٹ ڈالی گئی، اس کی حیثیت ایک نمازی اور مقتدی کی ہے، تو کیا پھر بھی اس ایک مخصوص شخص کی وجہ سے دوسرے تمام نمازیوں، مسجد کی انتظامیہ اور امام صاحب، کسی کی بھی نمازِ جمعہ اداء نہ ہوگی؟

سادساً مذکورہ فتوے میں کسی کو باہر سے آنے کی اجازت نہ دینے سے کیا مراد ہے؟ کیا اگر کسی

ایک مکلّف بالجمعہ شخص کو بھی اجازت نہ دی جائے، تو بھی اِذنِ عام متحقق نہ ہوگا، یا اس سے افراد واشخاص کی کوئی خاص کمیت وکیفیت مراد ہے؟

اور اگر کسی جگہ مخصوص عمر کے افراد، مخصوص مریض و بیمار، کو اجازت نہ ہو، یا مساجد اور دینی ومذہبی اجتماعات میں حملے وغیرہ ہونے کے خطرے سے، غیر متعلقہ، یا مشکوک افراد کا داخلہ ممنوع ہو، جس سے کئی مکلّف بالجمعہ افراد بھی متاثر ہوجاتے ہوں، وہاں نمازِ جمعہ پڑھنے والوں کے جمعہ کا کیا بنے گا؟

سابعاً اگر کوئی حکمران، غیر حنفی فقہائے کرام کے قول کے مطابق، یا مخصوص صورت، مثلاً تعددِ جمعہ کی صورت میں اذنِ عام کی شرط قرار نہ دینے والے، حنفی مفتیانِ کرام کے قول کے مطابق، دروازے بند کرکے مخصوص وباء کی وجہ سے صرف محدود افراد کو جمع ہوکر جمعہ پڑھنے کا حکم صادر کرتا ہے، تو کیا اس کا یہ فیصلہ ''حکمِ حاکم، رافع للخلاف'' ہوکر نمازِ جمعہ کے جواز کا باعث ہوگا، یا نہیں؟

جبکہ حنفی فقہائے کرام عدمِ قیامِ جمعہ کے بارے میں حکمِ حاکم کے رافع للخلاف ہونے کی تصریح فرماچکے ہیں، اور جمعہ کو بالکلیہ معطل کرنے کے حکم کے مقابلہ میں مخصوص یا محدود افراد کے اجتماع کا حکم، بالکلیہ جمعہ کے حکمِ تعطل سے اھون ہے، جس کی باحوالہ تفصیل ہم اپنے دوسرے مضمون میں بیان کرچکے ہیں۔ [1]

---

[1] الإمام إذ منع أهل مصر أن يجمعوا، حكى عن الفقيه أبى جعفر رحمه الله أنه إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب، أو أراد أن يخرج ذلك الموضع من أن يكون مصرا لم يجمعوا، فأما إذا نهاهم متعنتا، أو إضرارا بهم، فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة، ولو أن إمام مصر مصل ثم نفر الناس عنه لخوف عدو وما أشبه ذلك ثم عادوا إليه، فإنهم لا يجمعون إلا بإذن مستأنف من الإمام(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج٢، ص٨٧، الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

وظاهر ما مر عن القهستانى أن مجرد أمر السلطان أو القاضى ببناء المسجد وأدائها فيه حكم رافع للخلاف بلا دعوى وحادثة .وفى قضاء الأشباه أمر القاضى حكم كقوله : سلم المحدود إلى المدعى، والأمر بدفع الدين، والأمر بحبسه إلخ وأفتى ابن نجيم بأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ان تمام امور کی وضاحت کے بغیر پوری دنیا کے کروڑوں، بلکہ اربوں مسلمانوں کے لئے اہم مسئلہ وفریضہ پر حنفیہ کی ایک ''نـادرُ الـروایۃ'' کی بناء پر بیک جنبشِ قلم، عدمِ جواز کا حکم لگا دینا کہاں کا اصول ہے؟

(2)......اوّل تو نوادر کی جس روایت سے اِذنِ عام کی شرط کو لیا گیا ہے، اس سے اِذنِ عام کی شرط کا وہ مفہوم اور اس کا وہ حکم ونتیجہ ثابت ہونا مشکل ہے، جو مذکورہ فتوے میں بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

دوسرے مذکورہ فتوے میں جن وجوہات کی بناء پر اس شرط کو اَوفق بالقرآن والسنۃ قرار دیا گیا ہے، وہ خود ضعیف اور مخدوش ہیں، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔

تیسرے حنفی فقہائے متاخرین میں ایسے فقہاء بھی بہت ہوئے ہیں، جنہوں نے اس شرط کو نمازِ جمعہ قائم کرنے والے امام وحکمران، یا اس کے مجاز نمائندہ ونائب کے ساتھ خاص رکھا ہے، یا مخصوص صورت پر محمول کیا ہے، مثلاً جب باقاعدہ تعددِ جمعہ پر عمل نہ ہو، جو موجودہ صورتِ حال میں نہیں پائی جاتی۔

چوتھے جمہور غیر حنفیہ آج تک اس شرط کا اعتبار نہیں کرتے، جن میں ان کے متقدمین ومتاخرین فقہاء سب شامل ہیں، جیسا کہ گزرا۔

پس مذکورہ فتوے میں اِذنِ عام کی تشریح وتعبیر اختیار کر کے اس پر مطلق فقہائے متاخرین کی اکثریت کے اتفاق کا جو دعویٰ کیا گیا ہے، یہ حقیقت کے مطابق نہیں، جس کی وجہ سے ہمیں اس سے اتفاق نہیں، اور ہمارے نزدیک اصولی طور پر یہ دعویٰ مرجوح، بلکہ خلافِ واقعہ ہے''کما سنذکرہٗ، ان شاء اللہ تعالٰی مفصلًا''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تزویج القاضی الصغیرۃ حکم رافع للخلاف لیس لغیرہ نقضہ (قولہ :وإذا اتصل بہ الحکم إلخ) قد علمت أن عبارۃ القھستانی صریحۃ فی أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء علی أن مجرد أمرہ حکم(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص۱۳۸ ، کتاب الصلاۃ،باب الجمعۃ)

www.idaraghufran.org

(3)......حنفیہ کی طرف سے نوادر کی جس روایت سے اس شرط کو اخذ کیا گیا ہے، وہ درحقیقت اور بنیادی طور پر سلطان وحاکم کے لیے ہی ہے، اسی لیے اگر سلطان وحاکم لوگوں کو اطلاع دیے بغیر کسی ایسی جگہ جمعہ پڑھتا ہے، جہاں جمعہ پڑھنے کا لوگوں کو علم نہ ہو، یا اپنے محل یا قلعہ کا دروازہ بند کر کے نمازِ جمعہ پڑھتا ہے، یا اپنے محافظوں کا پہرہ بٹھا کر باہر سے آنے والوں کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے روکتا یا رکواتا ہے، تو اس کا اور اس کے شرکاء کا جمعہ ادا نہیں ہوتا، یہاں اس کے ساتھ شریک نہ ہونے والی رعایا کا ذکر ہی نہیں، کیونکہ رعایا کو تو جمعہ میں شرکت سے محروم کر دیا گیا، یا روک دیا گیا، اور سلطان وحاکم ان کی صحتِ جمعہ کے لیے عندالحنفیہ شرط تھا، مذکورہ صورت میں سلطان اور اس کے ہمراہیوں کا جمعہ اسی لیے معتبر قرار نہیں دیا جاتا کہ اس کے جمعہ کو معتبر مان کر ان تمام لوگوں کے جمعہ کا فوت کرنا لازم آتا ہے، جن کو مطلع نہ کر کے، یا اذنِ عام نہ دے کر، جمعہ میں شرکت سے محروم کیا جا رہا ہے، اور سلطان یا اس کے نائب کے بغیر خود سے ان کو جمعہ اداء کرنا ممکن نہ تھا، پس سلطان وحکمران کے لیے اِذنِ عام کی شرط لگا کر، دراصل عوام کے جمعہ کو فوت ہونے اور جمعہ کو حکمران وسلطان کے اپنے ساتھ مخصوص رکھنے سے بچانے کا انتظام مقصود ہے۔

پھر فتوے میں جو سلطان کے ساتھ رعایا کے لیے بھی اس شرط کا حکم لگایا گیا، وہ کونسی ظاہر الروایۃ، یا نادرالروایۃ سے ثابت ہوگا، بالخصوص اس صورت میں جبکہ حکمران صحتِ جمعہ کے لئے اپنی تخصیص ختم کر کے لوگوں کو خود سے اپنے اپنے طور پر متعدد مقامات میں، خواہ مساجد ہوں، یا غیر مساجد، جمعہ قائم کرنے کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت، بھی دے چکا ہو؟ جبکہ کسی جگہ جمعہ قائم ہونے کا علم ہوتے ہوئے، اس پر حاکم کا سکوت اختیار کرنا اور منع نہ کرنا بھی، دلالتاً اجازت میں داخل اور اس کی طرف سے حکمِ قضاء کا حامل ہے۔

(4)......اس کے متعلق نمبر 3 میں گزر چکا، اس کے بعد نمبر 4 میں جو بات کہی ہے، وہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد سے زیادہ حیثیت کی حامل معلوم نہ ہوسکی، کیونکہ اِذنِ عام کی شرط جس

نادرُالروایت سے حاکم کے حق میں ثابت ہے، اس میں صحتِ جمعہ کی نفی والی صورت میں عام نمازی کو تو حاکم کے قیامِ جمعہ کا علم ہی نہیں، یا اسے نمازِ جمعہ حاکم کے ساتھ اداء کرنے کی قدرت ہی نہیں، وہ بے چارہ دوسروں کو کیا اِذنِ عام دینے لگا، وہ تو خود اِذنِ عام، بلکہ قیامِ جمعہ کا علم حاصل کرنے کا سلطان وحکمران سے محتاج ہے، تاکہ اپنے فریضۂ جمعہ کی صحت کو بروئے کار لاسکے۔

رہا امامُ الانبیاء کے مکہ مکرمہ میں اذنِ عام کی اس شرط کو معطل نہ کرنے کا معاملہ، تو یہ اس پر موقوف ہے کہ مفتی صاحب موصوف نے نمبر 1 میں جوازِ اذنِ عام کے یہ معنیٰ بیان کیے تھے کہ ’’جس جگہ جمعہ اداء کیا جارہا ہے، اس کے دروازے نمازیوں کے لیے کھلے ہوں، الخ‘‘ تو وہ بحوالۂ معتبر یہ بات ثابت کردیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں نمازِ جمعہ فرض ہونے کے بعد، دروازے نہ کھولے ہوں، اور دروازے بند کرکے اذنِ عام نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ سے معذور ہونے کا حکم لگادیا ہو۔

پھر یہ بھی اس وقت ہے کہ جب خصم کو یہ بات مسلم ہو کہ سورہ جمعہ کی جس آیت سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے، وہ مکی سورت کا حصہ ہو، حالانکہ تمام حضرات نے اس سورۂ جمعہ کو مدنی سورت قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] (تفسير سورة الجمعة)سورة الجمعة مدنية فى قول الجميع، وهى إحدى عشرة آية(تفسير القرطبى، ج١٨، ص١٩، سورة الجمعة)

سورة الجمعة:مدنية وهى احدى عشرة اية وفيها ركوعان(التفسير المظهرى، ج٩، ص٢٧٥، سورة الجمعة)

سورة الجمعة.مدنية كما روى عن ابن عباس وابن الزبير والحسن ومجاهد وعكرمة وقتادة وإليه ذهب الجمهور، وقال ابن يسار :هى مكية، وحكى ذلك عن ابن عباس ومجاهد والأول هو الصحيح لما فى صحيح البخارى وغيره عن أبى هريرة قال :كنا جلوسا عند النبى صلى الله تعالى عليه وسلم حين أنزلت سورة الجمعة الحديث، وسيأتى قريبا إن شاء الله تعالى، وإسلامه رضى الله تعالى عنه بعد الهجرة بمدة بالاتفاق، ولأن أمر الانفضاض الذى تضمنه آخر السورة وكذا أمر اليهود المشار إليه بقوله سبحانه :قل يا أيها الذين هادوا إن زعمتم إلخ -لم يكن إلا بالمدينة(روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم، ج١٤، ص٢٨٧، سورة الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

یا کم از کم خصم کو یہ بات مسلَّم ہو کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہو گیا تھا۔

سورہ جمعہ کی وہ آیت، جس کی رو سے جمعہ فرض ہے، اس کے بعد والی آیت میں نداءِ صلاۃِ جمعہ پر سعی کرنے، اور بیع چھوڑنے کا حکم ہے، اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ کی حالت میں چھوڑ کر، لوگوں کے تجارت کی طرف متوجہ ہونے کا بھی ذکر ہے، اور یہ خطبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، مدینہ منورہ میں دیا تھا، پھر اس سے مذکورہ فتوے کے مطابق مدینہ منورہ ہجرت فرمانے سے قبل، مکہ مکرمہ میں اِذنِ عام نہ ہونے کی بناء پر جمعہ قائم نہ کرنے کا مسئلہ کیونکر ثابت ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفيه إشكال؟ لأنّ فرض الصلاة كان بمكة، وسورة الجمعة مدنية إجماعًا، حكاه أبو العباس المفسر الضرير فى كتاب التنزيل وغيره، اللهم إلّا أن يريد صلاة الجمعة ما مطلق الصلوات؛ لأنّ فريضة الجمعة إنما كانت بالمدينة والله تعالى أعلم(شرح سنن ابن ماجه،لمغلطاى بن قليج بن عبد الله البكجرى المصرى الحكرى الحنفى،ص ١٠٩٣،أبواب الأذان والسنة فيه)

[1] أخبرنا أبو سعيد أحمد بن محمد بن زياد البصرى قال حدثنا أبو يعقوب إسحاق بن إبراهيم بن عباد الدبرى قال قرأنا على عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن بن سيرين قال جمع أهل المدينة قبل أن يقدم رسول الله صلى الله عليه و سلم وقبل أن تنزل الجمعة وهم الذين سموها الجمعة فقالت الانصار لليهود يوم يجتمعون فيه كل سبعة أيام وللنصارى أيضا مثل ذلك فهلم فلنجعل يوما نجتمع ونذكر الله ونصلى ونشكره فيه أو كما قالوا فقالوا يوم السبت لليهود ويوم الاحد للنصارى فاجعلوه يوم العروبة وكانوا يسمون يوم الجمعة يوم العروبة فاجتمعوا إلى أسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ وذكرهم فسموه الجمعة حتى اجتمعوا إليه فذبح أسعد بن زرارة لهم شاة فتغدوا وتعشوا من شاة واحدة وذلك لقلتهم فأنزل الله فى ذلك بعد ذلك إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٥١٤٤)

وادعى الشيخ أبو حامد فى "تعليقه "أن الجمعة فرضت بمكة قبل الهجرة، وفيه نظر .والآية المذكورة مذكورة كلها فى رواية أبى الوقت، وهذِه السورة مدنية، وهي من آخر ما نزل بها، وأنه لم ينزل بعدها إلا التغابن والتوبة والمائدة .كما ذكره الأستاذ أبو القاسم الحسن بن محمد بن حبيب فى كتاب "ترتيب التنزيل(التوضيح لشرح الجامع الصحيح،لابن الملقن،ج٧،ص ٣٧٢، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة)

وفيه :دليل على أن الجمعة إنما فرضت بالمدينة؛ لأن جابرا إنما صحب النبى -صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے جمہور کے نزدیک جمعہ، مدینہ منورہ میں فرض ہوا، جو مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسلم -وشهد خطبته بالمدينة، وهذا قول جمهور العلماء.

ويدل عليه -أيضا :-أن سورة الجمعة مدنية، وأنه لم يثبت أن النبى -صلى الله عليه وسلم -كان يصلى الجمعة بمكة قبل هجرته.

ونص الإمام أحمد على أن أول جمعة جمعت فى الإسلام هى التى جمعت بالمدينة مع مصعب بن عمير.

وكذا قال عطاء والأوزاعى وغيرهما .وزعم طائفة من الفقهاء :أن الجمعة فرضت بمكة قبل الهجرة، وأن النبى -صلى الله عليه وسلم -كان يصليها بمكة قبل أن يهاجر.

واستدل لذلک :بما خرجه النسائى فى (كتاب الجمعة) من حديث المعافى بن عمران، عن إبراهيم بن طهان، عن محمد ابن زياد، عن أبى هريرة قال :إن أول جمعة جمعت -بعد جمعة جمعت مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بمكة-بجواثاء بالبحرين-قرية لعبد القيس.

وقد خرجه البخارى -كما سيأتى فى موضعه -من طريق أبى عامر العقدى، عن إبراهيم بن طهمان، عن أبى جمرة، عن ابن عباس، أن أول جمعة جمعت -بعدجمعة فى مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فى مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين.

وكذا رواه وكيع، عن إبراهيم بن طهمان، ولفظه :إن أول جمعة جمعت فى الإسلام -بعد جمعة جمعت فى مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بالمدينة-لجمعة جمعت بجواثاء -قرية من قرى البحرين.خرجه أبو داود.

وكذا رواه ابن المبارک وغيره، عن إبراهيم بن طهمان.

فتبين بذلک :أن المعافى وهم فى إسناد الحديث ومتنه، والصواب :رواية الجماعة، عن إبراهيم بن طهمان.

ومعنى الحديث، أن أول مسجد جمع فيه -بعد مسجد المدينة :-مسجد جواثاء ، وليس معناه :أن الجمعة التى جمعت بجواثاء كانت فى الجمعة الثانية من الجمعة التى جمعت بالمدينة، كما قد يفهم من بعض ألفاظ الروايات؛ فإن عبد القيس إنما وفد على أن يقدم النبى -صلى الله عليه وسلم -المدينة، وقبل أن يبنى مسجده(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لا بن رجب، ج٨،ص ٦٤، كتاب الجمعة،باب فرض الجمعة)

[1] واختلف فى وقت فرضيتها فالأكثر على أنها فرضت بالمدينة وهو مقتضى ما تقدم أن فرضيتها بالآية المذكورة وهى مدنية وقال الشيخ أبو حامد فرضت بمكة وهو غريب(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج٢،ص ٣٥٤،قوله باب فرض الجمعة لقول الله تعالى إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اوراگر یہ بات مان لی جائے کہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے ہی جمعہ فرض ہوگیا تھا، جیسا کہ بعض حضرات کا قول ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں، جمعہ اس لیے قائم نہیں فرمایا کہ وہاں اذنِ عام نہیں تھا، جیسا کہ بعض حضرات نے بیان فرمایا۔ [1]

تو یہ صرف بعض حضرات کا قول ہے، جبکہ مکہ مکرمہ میں جمعہ کی فرضیت کو تسلیم کرکے، وہاں جمعہ قائم نہ کرنے کی وجہ کے متعلق بہت سے دوسرے حضرات نے یہ تصریح کی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو کفار کی طرف سے، اتنے افراد کے مجتمع ہونے کی قدرت نہیں تھی، جتنے افراد سے جمعہ منعقد ہوتا ہے، نیز مکہ مکرمہ اس وقت دارُ الحرب تھا، اور وہاں کفار کی طرف سے مسلمانوں کو قیامِ جمعہ پر، بلکہ اسلامی شعائر کے اظہار وقیام پر قدرت حاصل ہی نہیں تھی۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ معذور پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أی :هذا فی تفسیر بعض سورة الجمعة ومر الكلام فی ضبط الجمعة ومعناه فی کتاب الصلاة .قال أبو العباس :مدنية بلا خلاف، وقال السخاوی :نزلت بعد التحريم وقيل :التغابن، وهی سبعمائة وعشرون حرفا .ومائة وثمانون كلمة وإحدى عشرة آية(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج۱۹،ص۲۳۳، کتاب تفسير القرآن،سورة الجمعة)

واختلف فی وقت فرضيتها، فالأكثر أنها فرضت بالمدينة، وهو مقتضى ما تقدم أن فرضيتها بالآية المذكورة، وهی مدنية، ويدل عليه أيضا ما روى ابن ماجه بسند ضعيف من حديث جابر قال :خطبنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فقال :يا أيها الناس توبوا إلى ربكم -الحديث، وفيه :واعلموا أن الله كتب عليكم الجمعة فی يومی هذا فی مقامی هذا فی شهری هذا إلى يوم القيامة .وقال الشيخ أبو حامد :فرضت بمكة، وهو غريب، واستدل بعضهم لذلک بما أخرجه الدارقطنی عن ابن عباس قال :أذن النبی -صلى الله عليه وسلم- فی الجمعة قبل أن يهاجر، ولم يستطع أن يجمع بمكة، فكتب إلى مصعب بن عمير الخ .ذكره الحافظ فی التلخيص :ولم يبين أن هذه الرواية أی كتاب للدار قطنی، وكيف حالها من حيث الصحة والضعف(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴،ص۴۴۴، کتاب الصلاة، باب الجمعة، باب وجوبها، الفصل الاول)

[1] قلت ويمكن الاستدلال على اشتراط الإعلان والاذن العام بما مران النبی -صلى الله عليه وسلم- كتب الى مصعب بن عمير ليصلی بالناس الجمعة فی المدينة ولم يصل بنفسه الكريمة بمكة مع إمكان صلوته الجمعة بأصحابه فی بيته فذلک دليل على ان الإعلان والاذن العام شرط لاداء الجمعة ولم يكن ذلک مقدورا بمكة والله تعالى اعلم(التفسير المظهری، ج۹، ص ۲۲۰ ،سورة الجمعة)

www.idaraghufran.org

اورجس صورت میں عندالحنفیة ، کم ازکم چار اورعند غیر الحنفیة اس سے زیادہ مخصوص افراد کے ساتھ قیامِ جمعہ کی اجازت ہو، وہ اس صورت سے خارج ہے۔ [1]

---

[1] ويتأيد هذا بما رواه الدارقطني والخطيب معا في كتابيهما "الرواة عن مالك "من طريق المغيرة بن عبد الرحمن عن مالك عن الزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس رضي الله عنهما قال :أذن النبي صلى الله عليه وسلمب الجمعة قبل أن يهاجر ولم يستطع أن يجمع بمكة فكتب إلى مصعب بن عمير - يعني الذي كان أرسل به النبي صلى الله عليه وسلم إلى الأنصار الذين بايعوه صلى الله عليه وسلم ليفقههم في الدين، ويعلمهم الإسلام، ويقرئهم القرآن ونزل على أسعد بن زرارة - " :أما بعد فانظر اليوم الذي يجهر فيه اليهود بالزبور فاجمعوا نساء كم وابناء كم فإذا مال الظهر عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة فتقربوا إلى الله سبحانه وتعالى بركعتين "قال :فهو أول من جمع حتى قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة فجمع عند الزوال من الظهر وأظهر ذلك."

فهذا صريح في أنهم إنما أقاموها بعد فرضها وأن ذلك بإذن منه صلى الله عليه وسلم.

وسنده لا بأس به، وصرح الخطيب بأنه لم يكتبه إلا من هذا الوجه، ولهذا قال ابن كثير :إنه غريب.

قلت :وأعله بعض الفقهاء بما رواه أبو عروبة الحراني في "الأوائل "من حديث ابن وهب عن يونس عن ابن شهاب أنه قال :بلغنا أن أول ما جمعت الجمعة بالمدينة قبل أن يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم فجمع بالمسلمين مصعب بن عمير بن عبد مناف.

ولا يعل حديث مالك بهذا خصوصا وهو واصل وقد روى أبو عروبة أيضا من حديث ابن وهب أيضا فقال عن ابن جريج عن سليمان بن موسى أن النبي صلى الله عليه وسلم كتب إلى مصعب يأمره بذلك .وابن موسى تابعي، فيه مقال.

ولحديث ابن عباس شاهد عند الطبراني في الأوسط من حديث العباس بن عبد العظيم العنبري حدثنا عبد الغفار بن عبيد الله الكزبري عن صالح بن أبي الأخضر أنه حدثهم عن الزهري عن أبي بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام عن أبي مسعود الأنصاري قال " :أول ما قدم من المهاجرين المدينة مصعب بن عمير، وهو أول من جمع بها يوم الجمعة جمعهم قبل أن يقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى بهم."

وقال عقبه :لم يروه عن الزهري إلا صالح، ولا عنه إلا عبد الغفار، تفرد به عباس .انتهى.

ومن هذا الوجه بهذا اللفظ سواء ، أخرجه في معجمه الكبير، لكنه أخرجه في الأوائل من حديث يحيى بن كثير العنبري عن صالح به باختصار، وهي ترد عليه دعوى الفقهاء التفرد.

وأما ما وقع في تخريج الرافعي لشيخنا حيث عزا هذا الحديث لمعجمي الطبراني فزاد فيه " :وهم أي المعجمون اثنا عشر رجلا "فالظاهر أن شيخنا قلد فيه أصله والذي في المعجمين إنما هو الذي أثبته.

وبالجملة فصالح بن أبي الأخضر ضعيف، وعلى تقدير ثبوت روايته فلا تنافي بينها وبين حديث ابن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور جب مکہ مکرمہ میں یہ مانع، کفار کی طرف سے موجود تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ فرض ہونے کے باوجود اس کو اپنے اختیار سے ترک نہیں فرمایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اِذنِ عام نہ دینے اور اس شرط کو معطل نہ کرنے کی نسبت کا کیا مطلب؟

حنفیہ کی ''نــادرُ الروایة'' کے جزئیہ کا تعلق کفار کے بجائے، اس حکمران کی طرف سے اذنِ عام نہ دینے سے متعلق ہے، جو مسلمان ہے، اور اس کے اذنِ عام نہ دینے سے اس کا جمعہ قائم کرنا معتبر ہی نہیں ہوتا، اور اس کا جمعہ معتبر نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ حکمران کو حکم ہے کہ وہ اہلِ مصر کو جمعہ پڑھائے، اور اپنے ساتھ عوام کو شرکت کی اذنِ عام نہ دینے سے وہ اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عباس بل يجمع بينهما بأن أسعد كان آمرا وكان مصعب إماما، وقد سبق لهذا الجمع الماورى فى الحاوى فقال ردا على من زعم اضطراب الحديث :من نسبها إلى مصعب فلأجل أمره، ومن نسبها إلى أسعد فلأجل فعله.

وأما ما خدش به بعضهم من كونه لم ينقل إلينا قط أنها صليت بمكة إلا فى حديث الصواب خلافه، فليس بجيد لأنه يقال :إنه كما أشار إليه حديث ابن عباس لم يكن يتمكن هو وأصحابه بمكة من الاجتماع حتى يقيموا بها جمعة ذات خطبة وإعلان بموعظة، وما ذاك إلا لشدة مخالفة المشركين لهم وأذيتهم إياهم.

ولهذا لما قدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة وأدركه وقت الزوال وهو فى دار بنى عمرو ابن عوف صلاها هنالك فى واد يقال له :وادى رانوناء فكانت أول جمعة صلاها رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة بل مطلقا لما قدمناه.

وقد أشار إلى هذا الماوردى أيضا لكن مع احتمال، بل احتمالين آخرين فإنه قال :يحتمل فى كونه لم يصلها هو وأصحابه بمكة، أمرين :أحدهما :قلة أصحابه عن العدد الذى تنعقد به الجمعة لأنهم كانوا دون الأربعين حتى تموا بعمر، والثانى :وكأنه أشبه أن من شأن الجمعة إظهارها وانتشار أمرها، وقد كان صلى الله عليه وسلم خائفا من قريش لا يقدر على مجاهرتهم بها فلذلك لم يصلها على أنه يجوز أن تكون الجمعة قبل الهجرة لم تفرض على الأعيان، ثم فرضت على الأعيان بعد هجرة النبى صلى الله عليه وسلم لأن جابرا سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول على منبره بالمدينة" :إن الله فرض عليكم الجمعة فى عامى هذا فى شهرى هذا، فى ساعتى هذه "فدل هذا على أن الجمعة لم تكن فرضا قبل ذلك اليوم .انتهى(الأجوبة المرضية فيما سئل السخاوى عنه من الأحاديث النبوية،للسخاوى ،المتوفى :902 هـ، ج ٢،ص ٧٠٣،وقع السؤال من القاضى الشافعى بمجلس السلطان فى مرضان سنة ست وسبعين كما بلغنى :هل كان تجميع اسعد بن زرارة للجمعة بأمر منه صلى الله عليه وسلم أم لا؟ فلم يجبه أحد؟)

www.idaraghufran.org

شرط کو فوت کرنے، اور اس کے نتیجے میں عوام کے جمعہ کو فوت کرنے والا ہوتا ہے، کیونکہ عند الحنفیۃ عوام کے لیے حکمران، شرطِ صحتِ جمعہ ہے۔

کیا نعوذ باللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ مکرمہ میں یہ طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا؟ [1]

---

[1] وفی شرح المنهاج للعلامة ابن حجر إن صلاة الجمعة فرضت بمكة ولم تقم بها لفقد العدد أو لأن شعارها الإظهار وكان صلى الله عليه وسلم بها مستخفيا(تفسير روح المعانى للألوسى، ج٨ص٨، تحت سورة الإسراء)

وأما كونه لم يفعله بمكة، فيحمل على أنه إنما أمر بها أن يقيمها فى دار الهجرة، لا فى دار الحرب، وكانت مكة إذ ذاك دار حرب .ولم يكن المسلمون يتمكنون فيها من إظهار دينهم، وكانوا خائفين على أنفسهم، ولذلك هاجروا منها إلى المدينة(البحر المحيط الثجاج فى شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج، لمحمد بن على بن آدم بن موسى الإتيوبى الولوى، ج١٧،ص١١، كتاب الجمعة)

شرعت صلاة الجمعة فى أول الهجرة عند قدوم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة، قال الحافظ ابن حجر :الأكثر على أنها فرضت بالمدينة .وهو مقتضى أن فرضيتها ثبتت بقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع وهى مدنية، وقال الشيخ أبو حامد :فرضت بمكة، وهو غريب .

ومن المتفق عليه :أن أول جمعة جمعها رسول الله صلى الله عليه وسلم بأصحابه، كانت فى قبيلة بنى سالم بن عوف فى بطن واد لهم قد اتخذ القوم لهم فى ذلك الموضع مسجدا، وذلك عندما قدم إلى المدينة مهاجرا .

غير أنه ثبت أيضا أن أسعد بن زرارة أول من جمع الناس لصلاة الجمعة فى المدينة، وكان ذلك بأمر النبى صلى الله عليه وسلم له قبل أن يهاجر من مكة، فقد ورد عن كعب بن مالك أنه "كان إذا سمع النداء ترحم لأسعد بن زرارة، وكان يقول :إنه أول من جمع بنا فى هزم النبيت من حرة بنى بياضة فى نقيع يقال له :نقيع الخضمات .

فمن رجح أنها فرضت بالمدينة بعد الهجرة، استدل بأنه صلى الله عليه وسلم لم يقم أى جمعة فى مكة قبل الهجرة، ومن قال :إنها فرضت بمكة قبل الهجرة استدل بأن الصحابة قد صلوها فى المدينة قبل هجرته -عليه الصلاة والسلام -فلا بد أن تكون واجبة إذ ذاك على المسلمين كلهم سواء من كان منهم فى مكة وفى المدينة، إلا أن الذى منع من أدائها فى مكة عدم توافر كثير من شرائطها .قال البكرى :فرضت بمكة ولم تقم بها؛ لفقد العدد، أو لأن شعارها الإظهار، وكان صلى الله عليه وسلم مستخفيا فيها .وأول من أقامها بالمدينة قبل الهجرة أسعد بن زرارة بقرية على ميل من المدينة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص١٩٢، مادة "صلاة الجمعة")

والجمعة عندالحنفية فرضت بمكة، ولم يتمكنوا من ادائها هناك لعدم القدرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر اس پر مزید یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ اگر نماز قائم کرنے والے کی طرف سے تو سب کے لئے اِذنِ عام ہو، اور اس نے مثلاً دروازہ بھی کھلا چھوڑ دیا ہو، اور وہاں مثلاً چار، یا اس سے زیادہ افراد موجود ہوں، لیکن کافر حکمران کی طرف سے جمعہ والی جگہ میں باہر سے مزید لوگوں کو حاضر ہونے کی اجازت نہ ہو، جیسا کہ اس وقت ہندوستان اور کئی دوسرے غیر مسلم ممالک میں صورتِ حال ہے، یا عام حالات میں کچھ لوگوں کو اپنے دشمنوں، اور شر پسندوں، بلوائیوں وغیرہ کے خوف کی وجہ سے مسجد جا کر جمعہ پڑھنا مشکل ہو، تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والسلطة.........وانكر الخصم فرضيتها بمكة، قال وانما فرضت بالمدينة (معارف السنن ج۴ص ۳۰۴، ابواب الجمعة)

أن الجمعة فرضت على النبى صلى الله عليه وسلم وهو بمكة قبل الهجرة، فلم يتمكن من إقامتها هناك من أجل الكفار (الحاوى للفتاوىٰ السيوطى، ج ۱ ص ۷۸، ۷۹، باب صلاة الجمعة)

فتبين بهذا :أن النبى -صلى الله عليه وسلم -أمر بإقامة الجمعة بالمدينة، ولم يقمها بمكة، وهذا يدل على أنه كان قد فرضت عليه الجمعة بمكة.

وممن قال :إن الجمعة فرضت بمكة قبل الهجرة :أبو حامد الاسفراييني من الشافعية، والقاضى أبو يعلى فى (خلافه الكبير) من أصحابنا، وابن عقيل فى (عمد الادلة) ، وكذلك ذكره طائفة من المالكية، منهم :السهيلى وغيره.

وأما كونه لم يفعله بمكة، فيحمل أنه إنما امر بها أن يقيمها فى دارالهجرة، لا فى دار الحرب، وكانت مكة إذ ذاك دار حرب، ولم يكن المسلمون يتمكنون فيها من إظهار دينهم، وكانوا خائفين على أنفسهم، ولذلك هاجروا منها إلى المدينة، والجمعة تسقط بأعذار كثيرة منها الخوف على النفس والمال.

وقد أشار بعض المتأخرين من الشافعية إلى معنى آخر فى الامتناع من إقامتها بمكة، وهو :أن الجمعة إنما يقصد بإقامتها اظهار شعار الإسلام، وهذا إنما يتمكن منه فى دار الإسلام (فتح البارى لابنِ رجب ، ج۸ص ۶۶، ۶۷، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة)

أن الجمعة فرضت على النبى -صلى الله عليه وسلم -وهو بمكة قبل الهجرة كما أخرجه الطبرانى عن ابن عباس، فلم يتمكن من إقامته هنالك من أجل الكفار (نيل الأوطار للشوكانى، ج۳ص ۲۷۴، ابواب الجمعة، باب انعقاد الجمعة)

وما نقل عن الحافظ ابن حجر أنها فرضت بالمدينة فيمكن حمله على معنى أنها استقر وجوبها فى المدينة والحاصل أنه طلب فعلها بمكة لكن لما لم يتفق فعلها للعذر لم يوجد شرط الوجوب ووجد بالمدينة فكأنه لم يخاطب بها إلا فيها (حاشية الشروانى على تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج۲ص ۴۰۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

واقعہ سے استدلال کر کے مسجد وغیرہ میں نمازِ جمعہ اداء کرنے والوں کے جمعہ کو ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے، جن بے چاروں نے اِذنِ عام پر قدغن لگائی ہی نہیں، اور جنہوں نے قدغن لگائی، وہ نہ جمعہ کو فرض سمجھتے، نہ عبادت سمجھتے، اور نہ ہی ان کو جمعہ ہونے نہ ہونے سے کوئی سروکار؟

اگر مفتی صاحب مذکور، مذکورہ صورت میں مسلمانوں کے جمعہ کو درست نہ سمجھتے ہوں، تو ہمیں فقہ سے کوئی ایسا صریح جزئیہ پیش فرمادیں، جس سے اس صورت میں اِذنِ عام کے کفار کی طرف سے نہ پائے جانے پر بے چارے لاچار مسلمانوں کے جمعہ کا عدمِ جواز ثابت ہوتا ہو۔

اور اگر مفتی صاحب مذکور، دارُ الحرب میں جمعہ کے عدمِ جواز کے قائل ہوں، تو اس کو واضح فرمادیں، اور ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیں کہ امریکہ، برطانیہ، اور بہت سے ایسے ملکوں میں، جہاں کفار کی حکومت ہے، وہاں مسلمانوں کو عام حالات میں جمعہ پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟ اور وہاں کے مسلمانوں پر جمعہ واجب ہوگا یا نہیں؟

اور اس کے باوجود یہاں بھی خصم کو پلٹ کر یہ کہنے کا حق حاصل ہوگا کہ جب اس طرح کی صورتِ حال میں مسلمانوں کے فریضۂ جمعہ کو امامُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے معطل نہیں فرمایا، تو کسی مفتی، بلکہ کافر حکمران کو معطل کرنے کا کیسے حق حاصل ہوگا، کما قدمناہ مفصلاً۔

(5)......اگر حکمِ حاکم رافع للخلاف اس مسئلہ، یعنی موجودہ صورتِ حال میں نہیں چلے گا، جب مسجد والوں کو مسلم حاکم نے جزوی طور پر صرف چار، پانچ افراد کے ساتھ جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہو، اور اس قانون کے مطابق چند لوگ مسجد کے دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ ادا کریں، تو اس کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ حاکم کے انعقادِ جمعہ والی جگہ میں اِذنِ عام سے منع کرنا مؤثر نہ ہوگا، یعنی حکمِ حاکم، رافع للخلاف، نہ ہونے کی وجہ سے، اِذنِ عام کی شرط کو فوت کرنے کا باعث نہ ہوگا، تو پھر مفتی صاحب مذکور نے خود ہی غیر مسلم ممالک

www.idaraghufran.org

میں، مسلمان حکمران تو درکنار، کفار حکمران کی طرف سے اِذنِ عام نہ ہونے کو دروازے بند ہونے نہ ہونے کی قید وشرط کے بغیر اجتماعی طور پر کروڑوں مسلمانوں کے لیے، کس اصول کی بناء پر مؤثر مان لیا، جیسا کہ آگے نمبر 7 میں ذکر آتا ہے، اور کچھ اجزاء پر کلام، اس سے پہلے نمبروں کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان حاکم کا حکم تو دافع لـلـخلاف کی حیثیت سے بھی مؤثر ومعتبر نہیں، اور کافر حکمران کا حکم علی الاطلاق مؤثر ومعتبر ہے۔

اس بے تکے نتیجے اور بے سروپا اجتہاد پر تو کسی احمق ہی سے دادِ تحسین وصول کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

(6)...... علامہ شامی پر تفرد کا الزام عائد کرنے سے قبل ضروری تھا کہ تفرد کی جامع مانع تعریف اور اس کا شرعی وفقہی حکم باحوالہ پیش کردیا جاتا، اور بلا دلیل، بعض اہلِ علم کی زبان زد عام کے اس جادوئی نعرے سے متاثر نہ ہوا جاتا، جس کا فقہی اصول وقواعد سے ثبوت ہی مشکل ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے جس علت کی بنیاد پر یہ حکم بیان فرمایا ہے، وہ علت تو خود فقہائے حنفیہ، علامہ سرخسی وغیرہ سے ثابت ہے، اگرچہ انہوں نے علامہ ابنِ عابدین شامی کے بیان کردہ نتیجے سے تعرُّض نہ کیا ہو، جبکہ علامہ ابنِ عابدین شامی سے پہلے علامہ شرنبلالی وغیرہ بھی، یہی موقف مختلف الفاظ کے ساتھ اختیار اور واضح فرما چکے ہیں۔ [1]

اور ان حضراتِ گرامی کا مذکورہ موقف، جمہور فقہائے کرام کی طرف سے بیان کردہ ایک اہم

---

[1] وأقول فی المنع نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة والعلة مفقودة فی هذه القضية فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة لأن عند باب القلعة عدة جوامع فی كل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة بل لو بقيت القلعة مفتوحة لا يرغب فی طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها .
وفی كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها(مراقی الفلاح شرح متن نور الإيضاح،ص ۱۹۴ ، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

اصول وقاعدہ کے تحت داخل ہے، جیسا کہ باحوالہ آگے آتا ہے۔

پھر علامہ ابنِ عابدین شامی پر تفرد کے الزام کا کیا مطلب؟

اور اگر کوئی پلٹ کر یہ کہے کہ اذنِ عام کی شرط کو نہ تو امام شافعی معتبر مانتے، نہ امام مالک معتبر مانتے، نہ امام احمد بن حنبل معتبر مانتے، نہ امام ابوحنیفہ ''ظاھرُ الروایۃ ''میں معتبر مانتے، اور نہ ہی حنفیہ کی ''نوادرُ الروایۃ '' کی شرط کو معتبر ماننے والے متعدد حنفیہ، موجودہ مخصوص صورتِ حال میں اس شرط کو موثر مانتے، تو اب ان جمہور مجتہدین وفقہائے کرام کے مقابلے میں مفتی صاحب موصوف جیسے چند نرالے مقلدین کا معتبر ماننا ہی دراصل تفرد ہے؟ تو اس کو کیا جواب دیا جائے گا۔

کیونکہ اجتہادی مسائل میں اعتبار مجتہدین کا ہوتا ہے، مقلدین کی تعداد زیادہ ہونے سے جمہور مجتہدین کے مقابلے میں ان مقلدین کا قول جمہور کا نہیں بن جاتا، جمہور کا قول تو بہر حال وہی رہتا ہے، اور رہے گا جو ذکر کیا گیا، خواہ اس کے خلاف پر کتنا زور کیوں نہ لگا لیا جائے۔ [1]

جہاں تک علامہ ابنِ عابدین شامی کے بیان کردہ موقف کے ان کے ہی بیان کردہ، اُصول وجزئیات اور کتبِ فقہ کے عموم کے خلاف ہونے کا تعلق ہے، تو ہمیں دلائل کی بناء پر، اس سے بھی اتفاق نہیں، یہ مفتی صاحب موصوف کا اپنا، یا اُن لوگوں کا دعویٰ یا خیال ہے، جن کی انہوں نے پیروی کی، لہٰذا اس کو مرجوح قرار دینا بھی ان کا دعویٰ ہی شمار ہوگا، اوران کے دعوے کا دوسرے پر حجت ہونا لازم نہیں، چہ جائے کہ پورے عالمِ اسلام اور مسلمانوں پر حجت ہو، جیسا کہ ہم ان شاءاللہ آئندہ صفحات میں تفصیلی بحث کے بعد ثابت کریں گے۔

---

[1] جمہور أهل السنة على أن الإجماع ينعقد باتفاق المجتهدين من الأمة، ولا عبرة باتفاق غيرهم مهما كان مقدار ثقافتهم، ولا بد من اتفاق المجتهدين ولو كانوا أصحاب بدعة إن لم يكفروا ببدعتهم، فإن كفروا بها كالرافضة الغالين فلا يعتد بهم، وأما البدعة غير المكفرة أو الفسق فإن الاعتداد بخلافهم أو عدم الاعتداد فيه خلاف وتفصيل بين الفقهاء والأصوليين موضعه الملحق الأصولی(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ٤٨، مادة"إجماع")

www.idaraghufran.org

(7)...... اس بات سے بالکل بھی اتفاق نہیں، صحتِ جمعہ کے لیے عندالحنفیۃ سلطان کی شرط ظاہرُ الروایۃ سے ثابت ہے، اور امام اعظم سے صراحتاً اس کا ثبوت ہے، جبکہ اِذنِ عام کی شرط حنفیہ کی ظاہرُ الروایۃ سے ثابت نہیں، اور نادرُ الروایۃ سے بھی صراحتاً بطور شرط کے اس کا ثبوت نہیں، البتہ امام محمد کے بیان کردہ ایک جزئیہ سے اس شرط کو اخذ کیا گیا ہے، اور اخذ کرنے والے ابتدائی مشائخِ حنفیہ نے خود اس کی تصریح کردی ہے کہ اِذنِ عام کو اس لیے شرط قرار دیا گیا ہے کہ سلطان کو حکم ہے کہ وہ اہلِ مصر کو جمعہ پڑھائے۔ [1]

سلطان یا اس کے نائب کے صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہونے کا لازمی تقاضا بھی یہی ہے، اور جب سلطان لوگوں کو اپنے، یا اپنے نمائندہ کے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کی اجازتِ عام، و اذنِ عام نہ دے گا، تو وہ لوگوں کو جمعہ پڑھانے والا نہیں ہوگا، اگر اس سلسلہ میں نوادرُ الروایت کا جزئیہ نہ بھی ہوتا، تب بھی لوگوں کی صحتِ جمعہ کے لئے سلطان کے شرط ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ لوگوں کی صحتِ جمعہ کی شرط اپنے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے وہ ان کو اپنے، یا اپنے نمائندہ کے ساتھ جمعہ پڑھنے کا اِذنِ عام دے، ورنہ تو عوام کے صحتِ جمعہ کے لئے سلطان کے شرط ہونے کی عملی صورت ممکن ہی نہ ہوگی، اور اگر پہلے سے کسی درجہ میں ہوگی بھی، تو وہ اذنِ عام نہ دینے سے مسدود اور بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔ [2]

---

[1] وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فی الظاهر (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۷۳، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

(و) شرط صحتها أيضا (الإذن العام) أی أن يأذن الأمير للناس إذنا عاما حتى لو أغلق باب قصره وصلى بأصحابه لم يجز (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱، ص ۱۳۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] وإن لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول وصلى بحشمه ومواليه لم يجزهم؛ لأن من شرط الجمعة الإذن العام ولم يوجد وإنما جعلنا الإذن العام شرطا؛ لأنه مأمور بأن يصلی الجمعة بأهل المصر فإن موضع إقامة الجمعة فيه المصر وإذا لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول لم يكن مصليا بأهل المصر وإنما جعلنا -السلطان شرطا فی الجمعة لئلا يفوت بعض أهل المصر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جبکہ مذکورہ فتوے میں جمعہ کے لیے غیر مسلم حکمرانوں کی طرف سے اِذنِ عام ہونے کو بھی شرط قرار دیا جارہا ہے، اور موجودہ صورت میں ان حکمرانوں کے زیرِ اثر تمام ممالک میں نمازِ جمعہ کو ناجائز قرار دیا جارہا ہے، خواہ وہ مساجد میں جمعہ پڑھیں، یا گھروں میں، حالانکہ غیر مسلم حکمران کا ہونا، نہ تو مسلمانوں کے صحتِ جمعہ کے لیے شرط ہے، نہ غیر مسلم کا اپنا جمعہ صحیح ہے، نہ ہی اس کا جمعہ میں دوسروں کی امامت کرانا صحیح ہے، اور حنفیہ کی ''نادرُ الروایۃ'' کی رو سے اِذنِ عام اس فرد کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا تھا، جس فرد کے ساتھ لوگوں کے صحتِ جمعہ کی شرط وابستہ ہے، پس مذکورہ فتوے کا یہ موقف عجیب اور نرالی منطق پر مبنی ہے، جس کی بناء پر یہ فتویٰ بھی نرالا فتویٰ کہلائے جانے کا مستحق ہے، اور اس کا قواعدِ فقہ اور نصوصِ فقہاء پر انطباق ممکن ہی نہیں۔

(8)...... پیچھے نمبر 7 میں غیر مسلم حکومت کی طرف سے مساجد میں جمعہ پڑھنے کی پابندی کو تو اِذنِ عام نہ ہونے میں مؤثر مان لیا گیا، اور نمازِ جمعہ کو ناجائز قرار دے دیا گیا، خواہ مساجد میں پڑھیں، یا گھروں میں، اور یہاں اس کے برعکس مسلم ملک میں حکومتی پابندی کے باوجود جمعہ کو درست قرار دیا جارہا ہے، صرف دروازے کھلے ہونے کی وجہ سے۔

جس سے معلوم ہوا کہ کہیں تو غیر مسلم حکومت کی پابندی کو بھی اِذنِ عام نہ ہونے کے لئے مؤثر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علی البعض صلاة الجمعة لذلک لا یکون للسلطان أن یفوت الجمعة علی أهل المصر فلهذا شرطنا الإذن العام فی ذلک (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی،ج۲، ص ۱۲۱، کتاب الصلاة ،باب الجمعة)

إذا أراد السلطان أن یجمع بحشمه فی داره، فإن فتح باب الدار، وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدها العامة أو لم یشهدوها، وإن لم یفتح باب الدار وأغلق الأبواب کلها، وأجلس علیها البوابین لیمنعوا الناس عن الدخول لم تجزئهم الجمعة؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفویتها علی الناس، ولا یحصل ذلک إلا بالإذن العام وکما یحتاج العام إلی السلطان لإقامة الجمعة فالسلطان أیضا یحتاج إلی العام بأن یأذن لهم إذنا عاما حتی تجوز صلاة الکل بهذا النظر من الجانبین(المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲،ص۸۵، کتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

مان لیا جاتا ہے، اور دروازے کھولنے نہ کھولنے کی قید وشرط کا لحاظ کیے بغیر مساجد اور گھروں میں نمازِ جمعہ کو ناجائز قرار دے دیا جاتا ہے، اور کہیں مسلم حکومت کی طرف سے پابندی ہوتے ہوئے صرف دروازے کھلنے پر اِذنِ عام کو متحقق مان لیا جاتا ہے، اور مسلم حاکم کے امر کی مخالفت کے باوجود بھی جمعہ کو درست اور معتبر ٹھہرا دیا جاتا ہے، اور حکمِ حاکم کے رافعِ اختلاف ہونے کے اصول کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اس نرالی منطق اور عجیب فتوے پر مفتی صاحب مذکور، کسی نرالے اور عجیب القاب کے ہی مستحق قرار پاسکتے ہیں۔

(9)...... اس نمبر میں موجودہ صورتِ حال میں علی الاطلاق مساجد اور گھروں میں نمازِ جمعہ کے بجائے، نمازِ ظہر کے اداء کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے، اور مساجد یا گھروں کے دروازے کھلے ہونے کی قید کے ساتھ بھی جمعہ کی صحت یا وجوب کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔

جس سے پہلے نمبروں اور بالخصوص ابتدائی وافتتاحی نمبر کے ساتھ معارضہ ظاہر ہے۔

جہاں تک فقہائے کرام کی بیان کردہ شرائطِ وجوبِ جمعہ کو نظر انداز کر کے نمازِ ظہر کو اقرب الی الاحتیاط قرار دینے کا تعلق ہے، تو یہ رائے فقہائے کرام کے اجماعی موقف سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ جمہور ائمہ ثلاثہ غیر حنفیہ تو نہ سلطان کو شرط قرار دیتے، اور نہ ہی اِذنِ عام کو، اور وہ وجوبِ جمعہ کی شرائط پائے جانے پر ظہر پڑھنے والے کی نماز کو کالعدم قرار دیتے ہیں، امام زفر بھی ایسی صورت میں نمازِ ظہر کو کالعدم قرار دیتے ہیں۔ [1]

---

[1] ذهب الأئمة الثلاثة -مالک والشافعی فی مذهبه الجديد وأحمد -إلى أن الجمعة فرض مستقل، فليست بدلا من الظهر، وليست ظهرا مقصورا .واستدل الرملی لكونها صلاة مستقلة: بأنه لا يغنی الظهر عنهاولقول عمر -رضی الله عنه :-الجمعة ركعتان، تمام غير قصر على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم وقد خاب من افترى.

وقال أبو حنيفة وأبو يوسف :إن فرض وقت الجمعة فی الأصل إنما هو الظهر، إلا أن من تكاملت فيه شرائط الجمعة الآتی ذكرها فإنه مأمور بإسقاطه وإقامة الجمعة فی مكانه على سبيل الحتم، أما من لم تتكامل فيه شرائطها، فيبقى على أصل الظهر إلا أنه يخاطب بأداء الجمعة فی مكانها على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور امام ابوحنیفہ وصاحبین، جمعہ ترک کر کے ظہر پڑھنے کو مکروہِ تحریمی، بلکہ حرام قرار دیتے ہیں۔ [1]

پھر جمعہ ترک کرا کر، ظہر کا حکم لگانا، اَقرب الی الاحتیاط کیسے ہوگیا؟

البتہ ہمارے نزدیک باقاعدہ جمعہ ادا کر کے بعد میں چار رکعات احتیاطُ الظہر پڑھ لینا زیادہ احتیاط کے قریب ہے، اس صورت میں اگر جمعہ فرض ودرست تھا، تو وہ اداء ہوجائے گا، ورنہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سبیل الترخیص، أی فإذا أدی الجمعة رغم عدم تکامل شروط وجوبها علیه سقط عنه الظهر بذلک علی أن لکل من محمد وزفر أقوالا أخری فی کیفیة فرضیة الجمعة .

وفائدة الخلاف تظهر فیما لو صلی الظهر فی بیته وحده قبل فوات الجمعة -وهو غیر معذور، فعند أبی حنیفة وأبی یوسف یصح ظهره ویقع فرضا؛ لأنه أدی فرض الوقت الأصلی فیجزئه.

قال السمرقندی :من صلی الظهر فی بیته وحده -وهو غیر معذور -فإنه یقع فرضا فی قول أصحابنا الثلاثة -أبی حنیفة وصاحبیه -خلافا لزفر فإن عنده لا یجوز الظهر .

وفی المذاهب الأخری لا تجزئه صلاة الظهر ویلزمه حضور الجمعة، فإن حضرها فذاک وإلا بأن فاتته لزمه قضاء الظهر حینئذ .قال أبو إسحاق الشیرازی فی المهذب :وأما من تجب علیه الجمعة، ولا یجوز له أن یصلی الظهر قبل فوات الجمعة، فإنه مخاطب بالسعی إلی الجمعة، فإن صلی الظهر قبل صلاة الإمام ففیه قولان :قال فی القدیم:یجزئه؛ لأن الفرض هو الظهر . . .وقال فی الجدید :لا تجزئه، ویلزمه إعادتها وهو الصحیح.

وقال ابن قدامة فی المغنی :من وجبت علیه الجمعة إذا صلی الظهر قبل أن یصلی الإمام الجمعة لم یصح، ویلزمه السعی إلی الجمعة إن ظن أنه یدرکها؛ لأنها المفروضة علیه(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۷،ص۱۹۵ ،مادة" صلاة الجمعة ")

[1] ومن صلی الظهر فی منزله یوم الجمعة، ولا عذر له کره وجازت صلاته، وإنما أراد حرم علیه. وصحت الظهر فالحرمة لترک الفرض، وصحة الظهر لما سنذکره، وقد صرح أصحابنا بأنها فرض آکد من الظهر وبإکفار جاحدها اهـ(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲،ص۱۵۱ ،باب صلاة الجمعة)

(قوله: کره له ذلک إلخ) لا بد من کون المراد حرم علیه ذلک، وصحت الظهر؛ لأنه ترک الفرض القطعی باتفاقهم الذی هو آکد من الظهر فکیف لا یکون مرتکبا محرما، غیر أن الظهر تقع صحیحة وإن کان مأمورا بالإعراض عنها .وقال زفر: لا یجوز؛ لأن الفرض فی حقه الجمعة والظهر بدل عنها؛ لأنه مأمور بأداء الجمعة معاقب بترکها، ومنهی عن أداء الظهر مأمور بالإعراض عنها ما لم یقع الیأس عن الجمعة، وهذا هو صورة الأصل والبدل، ولا یجوز أداء البدل مع القدرة علی الأصل(فتح القدیر، ج۲ص۶۳، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

یہ چار رکعات ظہر کے قائم مقام ہوجائیں گی، جس کی فقہائے کرام نے تصریح کی ہے، اور ہم نے بعض دوسرے مضامین میں اس کی باحوالہ تفصیل اور شبہات کی تردید بیان کردی ہے۔ [1]

---

[1] صلاة الظهر بعدها: فقال الشافعية يصلى الظهر بعدها احتياطا على تفصيل ذكروه فى كتبهم، وقد قال به ايضا متاخرو الحنفية، وامروا به احتياطا، لاختلاف الائمة فى اشتراط المصر وعدمه ،وفى تعريف المصر ، و جواز التعدد وعدمه ، وفى العدد الذى تنعقد به، وفى اشتراط اذن السلطان او نائبه باقامتها وعدمه.

ومن هذا كله تعلم جواب السؤال وان المقطوع به المتفق عليه هو كون الجمعة فرضا ، لايجوز تركها ، ويكفر جاحدفرضيتها، وانها من شعائر الاسلام .

وان كل موضع اختلفوا فيه سواء كان من شروطها او من غيرها، فادلته ظنية، فكان دليل الفرض قطعيا ، ودليل الاشتراط ظنيا.

ولا يخفى ان اشتراط المصر واذن الحاكم ليس لامرلا توجد الجمعة بدونه، اذ لا ملائمة بين ذلک وبين صلاة الجمعه ، وانما اشتراط اذن الحاكم لمنع التنازع على ما قالوا، واشتراط المصر لبيان الموضع الذين امرنا باقامة الجمعة فيه.

ولا يخفى ايضاً ان الله تعالىٰ قدر من رحمته وفضله ان كل ما ادى اليه رأى المجتهد فى محله على وجه فهو شريعة له تعالىٰ فى حق المجتهد. وكل من عمل به يكون العمل به طاعة وعبادة صحيحة ، وان اخطأ ذلک المجتهد فانما يكون خطأه بالنظر الى ما هو عندالله من الحكم، لابالنظر الى عامنا وما ادى اليه اجتهاده بل هو بالنظر الى ذلک صواب بالاجماع.

وتعلم ايضا ان الاحوط للمكلف اذا اراد ان يخرج من عهدة ما كلف به بيقين ويكون آتيا بالفرض على جميع المذاهب ان يصلى الجمعة فى كل موضع بقول امام مجتهد لوجوبها فيه، ولو كان قرية صغيرة جداً وان يصلى الظهر بعدها ينوى به فرض اليوم فى كل موضع قال فيه امام مجتهد بعدم وجوبها فيه ، او عدم صحتها لفقد شرط ، او غير ذلک، وذلک لما قلنا ان الجمعة فريضة قطعية ، لايجوز تركها ولاجحدها ولا التهاون فيها، والدليل على ذلک قطعى ، وما عداه مما جرى فيه الخلاف ظنى.

وقد قدمنا لک ما قاله فى فتاوىٰ الحجة. ان الاحتياط فى القرى الصغيرة ان يصلى الجمعة ثم اربعا سنتها ، ثم ركعتين سنة الوقت ، ثم الاربع ، الخ، ما سبق نقله ، ومراده الاربع التى ينوى بها ظهر اليوم كما سبق.

الا اننا نقول ان صلاة الظهر بعدها احتياطا لايختص بالقرى الصغيرة لما علمت ان المقصود من صلاة الظهر بعدها ،هو الاحتياط ، والخروج من عهدة الخلاف بين الائمة .

وهذا المعنى لايختص بالقرى الصغيرة بل هو متحقق فى كل موضع وجد فيه الخلاف فى صحة الجمعة او فى وجوبها فيه، والخلاف لا يختص بالقرى الصغيرة كما علمت مما سبق (احسن القرا فى صلاة الجمعة فى القرىٰ للمطيعى، ص١٧ الىٰ ١٩ ،الموضع السابع صلاة الظهر بعدها ، الطبعة الثانية :سنة ١٣٥٥ هـ ،1936ء ،مطبوعة: جمعية الازهر العلمية، مصر)

(10)...... اِذنِ عام کی یہ تعبیر فقہائے کرام کی عبارت کا مطلب صحیح نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔

جن فقہائے کرام نے جمعہ کے لئے اِذنِ عام کو جس صورت میں شرط قرار دیا، اس کا مطلب انہوں نے خود یہ بیان فرمادیا ہے کہ شہر بھر کے جن جن لوگوں پر نمازِ جمعہ واجب ہے، ان سب کو شرکت کا اِذنِ عام دیا جائے، قلعہ کے اندر والوں کو تو قلعہ کا دروازہ بند ہونے کی صورت میں بھی شرکت سے کوئی مانع نہیں، قلعہ کے دروازے کھولنے کی شرط اسی لیے ہے کہ قلعہ سے باہر کے لوگ جمعہ میں شریک ہوسکیں، جس کی خود فقہاء نے تصریح کی ہے۔

اب مفتی صاحب مذکور، جس قسم کے اذنِ عام کو پیچھے شرطِ صحت جمعہ قرار دے آئے ہیں، اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ اگر کسی فیکٹری کے اندر جمعہ پڑھا جارہا ہے، تو فیکٹری کا صدر دروازہ کھولا جائے، تاکہ باہر مصر کے لوگ نماز کے لئے اندر آسکیں، اور اگر کسی فوجی کوارٹر میں جمعہ پڑھا جارہا ہے، بلکہ جی، ایچ، کیو میں جمعہ پڑھا جارہا ہے، تو باہر کا صدر دروازہ کھولا جائے، تاکہ باہر مصر کے لوگ نماز کے لئے اندر آسکیں۔

اور اگر صدر ہاؤس، یاوزیراعظم ہاؤس میں جمعہ پڑھا جارہا ہے، تو اس کا صدر دروازہ باہر مصر سے آنے والے نمازیوں کے لئے کھولا جائے، اور اگر کسی بڑی جیل میں جمعہ پڑھا جارہا ہو، تو اس کا صدر دروازہ، باہر سے آنے والے نمازیوں کے لیے کھولا جائے، کیونکہ مذکورہ اداروں کا اندرونی حصہ مستقل طور پر، مصر کے تقاضے پورے نہیں کرتا، اس لیے وہ مصر بننے کے لیے بیرونی تمدن کا محتاج ہے۔[1]

اور اس پر شاید دنیا کے کسی خطے میں بھی عمل نہ ہوسکے، بلکہ حکومتی قانون کی رُو سے اس قسم کے اداروں میں غیر متعلقہ لوگوں کا داخلہ بھی ممنوع ہے، جبکہ حکومتی پابندی کو مفتی صاحب مذکور پیچھے ایک جگہ تذبذب کے انداز میں اذنِ عام کے لیے مخل قرار دے آئے ہیں، اور اس طرح

---

[1] قولہ" :فی قلعة القاھرة "أی ونحوھا قولہ " :ولیست مصرا علی حدتھا "فإنہ وإن کان فیھا الجوانیت والسکک وغیر ذلک إلا أنھا لم تستوف جمیع ما ذکر فی حد المصر من القاضی ونحوہ(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص ۵۱۱، کتاب الصلاۃ ، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

کروڑوں افراد کے جمعہ کو باطل ٹھہرانا لازم آئے گا، اور اس بات کے شاید مفتی صاحب موصوف اوران کے مقتداء اور مقتدی بھی قائل نہ ہوں گے۔

اورانہوں نے جو اِذنِ عام کی تعریف اوراس سلسلے کی بعض عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ درست ہی نہیں۔

اورانہوں نے اس موقف پر جن فتاویٰ سے استدلال کیا ہے، وہ بھی ان کے مدعا کے لیے مفید وکارآمد نہیں، کیونکہ ان میں انہوں نے بے جا تاویل اور نرالی توجیہ کا ارتکاب کیا ہے، جس کا اہلِ فہم کو ادنیٰ غور اور تدبر کرنے سے سمجھ آنا کوئی بھی مشکل نہیں، جس کے بعد اس فتوے کے نرالے ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب مذکور کے نرالے ہونے کو سمجھنا بھی زیادہ مشکل نہ رہے گا۔

اور ہم اس مسئلہ میں تحقیق وجستجو کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ صحتِ جمعہ کے لیے، جس قسم کے اذنِ عام کے شرط ہونے کی موجودہ دور کے بعض اصحابِ علم میں شہرت حاصل ہے، وہ درست نہیں، اوراس سلسلے میں علامہ شرنبلالی اور علامہ ابنِ عابدین شامی کا موقف ہی راجح وصواب ہے، جس کی باحوالہ تفصیل، ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آتی ہے۔

www.idaraghufran.org

تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت پر کلام

اب تعددِ جمعہ اور اذنِ عام کی حقیقت سے متعلق مختلف عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں تفصیلی کلام کیا جاتا ہے۔

’’الموسوعةُ الفقهية الكويتية‘‘ کا حوالہ

’’الموسوعةُ الفقهية الكويتية‘‘ میں ہے کہ:

واشترطه الحنفية، إذن السلطان بذلک، أو حضوره، أو حضور نائب رسمى عنه، إذ هكذا كان شأنها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى عهود الخلفاء الراشدين.

هذا إذا كان ثمة إمام أو نائب عنه فى البلدة التى تقام فيها الجمعة، فإذا لم يوجد أحدهما، لموت أو فتنة أو ما شابه ذلک، وحضر وقت الجمعة كان للناس حينئذ أن يجتمعوا على رجل منهم ليتقدمهم فيصلى بهم الجمعة .

أما أصحاب المذاهب الأخرى فلم يشترطوا لصحة الجمعة أو وجوبها شيئا مما يتعلق بالسلطان، إذنا أو حضورا أو إنابة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص١٩٧، مادة ’’صلاة الجمعة‘‘)

ترجمہ: حنفیہ نے جمعہ کے لئے سلطان کی اجازت، یا اس کی حاضری، یا اُس کے نامزد کردہ نائب کی حاضری کو شرط قرار دیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں جمعہ اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔

یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ اُس شہر میں امام، یا اُس کا نائب موجود ہو، جس میں جمعہ

قائم کیا جارہا ہے، اوراگر اِن دونوں میں سے کوئی موجود نہ ہو، اس امام کے فوت ہوجانے، یا کسی فتنہ وفساد کے لازم آنے کی وجہ سے، یا اس جیسی کسی اور بات کی وجہ سے، اور جمعہ کا وقت آجائے، تولوگوں کوکسی آدمی پرجمع ہوکراُس کی اقتداء میں جمعہ پڑھ لینا جائز ہے۔

جہاں تک حنفیہ کے علاوہ دیگر اہلِ مذاہب کا تعلق ہے، تو انہوں نے جمعہ صحیح یاواجب ہونے کے لئے سلطان کی اجازت، یا اس کی حاضری، یا اُس کے نائب کوشرط قرار نہیں دیا (الموسوعۃُ الفقھیۃ)

''الموسوعۃُ الفقھیۃ الکویتیۃ'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

قال المالكية والشافعية، وهو الصحيح عند الحنابلة، إنه لا يشترط لصحة الجمعة إذن الإمام. وصرح المالكية والشافعية بأنه مندوب .ودليل ذلك أن عليا رضى الله عنه، عندما حوصر عثمان رضى الله عنه، أقام الجمعة من غير إذن ولا استئذان من عثمان رضى الله عنه، وكان ذلك بمحضر من الصحابة؛ ولأنها عبادة بدنية، لا يتوقف إقامتها على إذن.

وذهب الحنفية، وهو قول عند الحنابلة، إلى أن إذن الإمام شرط لصحة صلاة الجمعة؛ لأن ذلك هو المأثور عن الأئمة، والمتوارث عنهم، ولأن فى هذا دفعا للفتنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣، ص ١٥٥، مادة "استئذان")

ترجمہ: مالکیہ اورشافعیہ کے نزدیک، اورحنابلہ کے صحیح مذہب کے مطابق جمعہ صحیح ہونے کے لئے امام (یعنی سلطان، یا اس کے نائب) کی اجازت شرط نہیں ہے، اور مالکیہ اورشافعیہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ حکمران کا ہونا مستحب ہے، جس کی

www.idaraghufran.org

دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہونے کے وقت، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر جمعہ قائم کیا، اور صحابہ اس وقت موجود تھے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جمعہ بدنی عبادت ہے، جس کو قائم کرنے کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

اور حنفیہ اس طرف گئے ہیں، اور حنابلہ کا ایک قول بھی یہی ہے کہ جمعہ صحیح ہونے کے لئے امام وحکمران کی اجازت شرط ہے، کیونکہ یہی طریقہ ائمہ سے چلا آ رہا ہے، اور لوگوں کا بھی یہی طریقہ رہا ہے، اور اس میں فتنہ سے حفاظت بھی پائی جاتی ہے (الموسوعةُ الفقهية)

''الموسوعةُ الفقهية الكويتية'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

واشترط الحنفية أن تؤدى بإذن عام يستلزم الاشتهار، وهو يحصل بإقامة الجمعة فى مكان بارز معلوم لمختلف فئات الناس، مع فتح الأبواب للقادمين إليه.

قال فى تنوير الأبصار :فلو دخل أمير حصنا أو قصره وأغلق بابه، وصلى بأصحابه لم تنعقد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص ٢٠٣، مادة "صلاة الجمعة")

ترجمہ: اور حنفیہ نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ جمعہ کو اذنِ عام کے ساتھ ادا کیا جائے، جس سے شہرت حاصل ہوجائے، اور شہرت جمعہ کو کھلے اور معلوم مکان میں قائم کرنے سے حاصل ہوتی ہے، جو مختلف لوگوں کی جماعتوں کے لیے ہو، اور اس جگہ میں آنے والوں کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہوں۔

''تنویرالابصار'' میں ہے کہ اگر امیر قلعہ میں داخل ہوا، یا اپنے محل میں داخل ہوا، اور اس کے دروازے کو بند کرلیا، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ لی، تو جمعہ منعقد نہیں ہوگا (الموسوعة الفقهية)

www.idaraghufran.org

’’الفقهُ الاسلامی وادلتهٗ‘‘ کا حوالہ

’’الفقهُ الاسلامی وادلتهٗ‘‘ میں ہے کہ:

’’حنفیہ نے جمعہ کے لیے دو شرطیں مزید لگائی ہیں۔

ایک تو یہ کہ سلطان ہو، یا اس کا نائب ہو، یا ایسا شخص ہو، جس کو اس نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہو، کیونکہ جمعہ بڑے مجمع میں ادا کیا جاتا ہے، اور جمعہ کے مجمع میں بعض اوقات نزاع واقع ہو جاتا ہے، جس کو روک تھام کے لیے سلطان، یا اس کے نمائندے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور حنفیہ نے دوسری شرط ’’اذنِ عام‘‘ کی لگائی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ پڑھے جانے والی جگہ کے دروازے کھول دیئے جائیں، اور لوگوں کو داخل ہونے کی عام اجازت دے دی جائے، اور جن کا جمعہ صحیح ہوتا ہو، ان میں سے کسی کو وہاں داخل ہونے سے منع نہ کیا جائے۔

اور حنفیہ کے علاوہ، دیگر فقہاء نے یہ دونوں شرطیں نہیں لگائیں، پس ان کے نزدیک جمعہ صحیح ہونے کے لیے، امام وحکمران کی اجازت اور اس کا حاضر ہونا بھی شرط نہیں، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (جو کہ اس وقت کے خلیفہ وحکمران تھے) وہ محصور تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کسی نے نکیر نہیں کی، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو درست قرار دیا۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جمعہ وقت کا فریضہ ہے، پس وہ ان دونوں شرطوں کے اعتبار سے ظہر کے مشابہ ہے‘‘۔انتھٰی۔ [۱]

---

[۱] كون الأمير أو نائبه هو الإمام، والإذن العام من الإمام بفتح أبواب الجامع للواردين عليه .
اشترط الحنفية هذين الشرطين: ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس سے معلوم ہوا غیر حنفیہ نے سلطان، یا اذنِ عام کو جمعہ کے لیے شرط قرار نہیں دیا، جس طرح نمازِ ظہر اور جماعتِ ظہر کے لیے یہ چیزیں شرط نہیں۔

اسی وجہ سے غیر حنفیہ کے نزدیک امام وحکمران کی اجازت کے بغیر بھی اپنی شرائط کے ساتھ جمعہ کو قائم کرنے کا حکم ہے، اور حکمران کی طرف سے اجازت یا ممانعت اس میں اثر انداز نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ، خالص اللہ کا حق ہے۔

البتہ حکمران کی مخالفت اور افتراق سے بچنے کی خاطر، جمعہ کو ترک کرنا، ایک الگ وجہ ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ قدامہ حنبلیؒ نے ''المغنی'' میں فرمایا کہ:

> ''امام احمد بن حنبلؒ کی صحیح روایت کے مطابق، جمعہ کے لیے اذنِ امام شرط نہیں، امام مالک اور امام شافعی اور ابوثور وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔
>
> جس کی مختلف آثار کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جمعہ فرضِ عین عبادت ہے، جس کو انجام دینے کے لیے حکمران کی اجازت کی کیا ضرورت، جیسا کہ ظہر کی نماز کے لیے حکمران کی اجازت کی ضرورت نہیں''۔انتہٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الأول ــ أن يكون السلطان ولو متغلباً أو نائبه، أو من يأذن له بإقامة الجمعة كوزارة الأوقاف الآن هو إمام الجمعة وخطيبها؛ لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع منازعة فى شؤون الجمعة، فلا بد منه تتميماً لأمره، ومنعاً من تقدم أحد.

والثانى ـ الإذن العام :وهو أن تفتح أبواب الجامع ويؤذن للناس بالدخول إذناً عاماً، بأن لا يمنع أحد ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه؛لأن كل تجمع يتطلب الإذن بالحضور، ولأنه لا يحصل معنى الاجتماع إلا بالإذن، ولأنها من شعائر الإسلام، وخصائص الدين، فلزم إقامتها على سبيل الاشتهار والعموم.

ولم يشترط غير الحنفية هذين الشرطين، فلا يشترط إذن الإمام لصحة الجمعة، ولا حضوره؛ لأن علياً صلى بالناس، وعثمان محصور، فلم ينكره أحد، وصوبه عثمان ولأن الجمعة فرض الوقت، فأشبهت الظهر فى عدم هذين الشرطين (الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۲ص۱۲۹۷،۱۲۹۸، الباب الثانى ، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب الخامس)

[1] فصل :واختلفت الرواية فى شرطين آخرين :أحدهما، الحرية .ونذكرها فى موضعها إن شاء الله تعالى .والثانى، إذن الإمام والصحيح أنه ليس بشرط، وبه قال مالك، والشافعى، وأبو ثور والثانية :هو شرط، روى ذلك عن الحسن، والأوزاعى، وحبيب بن أبى ثابت وأبى حنيفة؛ لأنه لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بعض دیگر حنابلہ نے بھی اسی طرح کی تصریح فرمائی ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يقيمها إلا الأئمة فى كل عصر، فصار ذلك إجماعا.
ولنا، أن عليا صلى الجمعة بالناس وعثمان محصور، فلم ينكره أحد، وصوب ذلك عثمان وأمر بالصلاة معهم، فروى حميد بن عبد الرحمن، عن عبيد الله بن عدى بن الخيار، أنه دخل على عثمان وهو محصور، فقال :إنه قد نزل بك ما ترى، وأنت إمام العامة، وهو يصلى بنا إمام فتنة، وأنا أتحرج من الصلاة معه .فقال :إن الصلاة من أحسن ما يعمل الناس، فإذا أحسنوا فأحسن معهم، وإذا أساء وا فاجتنب إساء تهم .أخرجه البخارى، والأثرم، وهذا لفظ رواية الأثرم.
وقال أحمد وقعت الفتنة بالشام تسع سنين، فكانوا يجمعون .وروى مالك، فى "الموطأ" عن أبى جعفر القارء أنه رأى صاحب المقصورة فى الفتنة حين حضرت الصلاة، فخرج يتبع الناس، يقول : من يصلى بالناس .حتى انتهى إلى عبد الله بن عمر، فقال له عبد الله بن عمر :تقدم أنت فصل بين يدى الناس.
ولأنها من فرائض الأعيان، فلم يشترط لها إذن الإمام، كالظهر، ولأنها صلاة أشبهت سائر الصلوات، وما ذكروه إجماعا لا يصح، فإن الناس يقيمون الجمعات فى القرى من غير استئذان أحد، ثم لو صح أنه لم يقع إلا ذلك لكان إجماعا على جواز ما وقع، لا على تحريم غيره، كالحج يتولاه الأئمة، وليس بشرط فيه .فإن قلنا :هو شرط فلم يأذن الإمام فيه، لم يجز أن يصلوا جمعة وصلوا ظهرا.
وإن أذن فى إقامتها ثم مات، بطل إذنه بموته، فإن صلوا، ثم بان أنه قد مات قبل ذلك، فهل تجزئهم صلاتهم؟ على روايتين :أصحهما، أنها تجزئهم؛ لأن المسلمين فى الأمصار النائية عن بلد الإمام لا يعيدون ما صلوا من الجمعات بعد موته، ولا نعلم أحدا أنكر ذلك عليهم، فكان إجماعا، ولأن وجوب الإعادة يشق؛ لعمومه فى أكثر البلدان.
وإن تعذر إذن الإمام لفتنة، فقال القاضى :ظاهر كلامه صحتها بغير إذن، على كلتا الروايتين فعلى هذا يكون الإذن معتبرا مع إمكانه، ويسقط اعتباره بتعذره(المغنى لابن قدامة، ج۲،ص۲۴۵، كتاب صلاة الجمعة)

؎ (ولا يشترط لصحة الجمعة إذن الإمام) لأن عليا صلى بالناس وعثمان محصور فلم ينكره أحد وصوبه عثمان رواه البخارى بمعناه ولأنها فرض الوقت أشبهت الظهر قال أحمد :وقعت الفتنة بالشام تسع سنين، فكانوا يجمعون(كشاف القناع عن متن الإقناع، ج۲،ص۳۸،باب صلاة الجمعة)
(ولا يشترط إذن الإمام) فى الأصح؛ لأن عليا صلى بالناس، وعثمان محصور، فلم ينكره أحد، وصوبه عثمان، رواه البخارى بمعناه، ولأنها فرض الوقت، أشبهت الظهر.
قال أحمد :وقعت الفتنة بالشام تسع سنين، فكانوا يجمعون (وعنه :يشترط) لأنه لا يقيمها فى كل عصر إلا الأئمة؛ وهى من أعلام الدين الظاهرة، أشبهت الجهاد، وعنه :إن لم يتعذر، وعنه :يشترط لوجوبها لا لجوازها، وإن لم يعلم بموته إلا بعد الصلاة، واشترط إذنه، فعنه :لا إعادة للمشقة، وعنه :بلى، لبيان الشرط(المبدع فى شرح المقنع، ج۲،ص۱۶۶، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

اورشافعیہ نے بھی جمعہ کے قیام کو حکمران کی اجازت سے ضروری قرارنہیں دیا، البتہ مستحب قراردیا ہے، لیکن حکمران اجازت نہ دے، تو ظہر کی نماز کی طرح پھر بھی جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ۱؎

مالکیہ کی کتب میں بھی جمعہ کے لیے حکمران کی اجازت کے شرط ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ ۲؎

۱؎ يستحب أن لا تقام الجمعة إلا بإذن الإمام؛ لأن الجمعة لم تقم فى عهد رسول الله -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -ولا فى أيام الخلفاء إلا بإذنهم، فإن أُقيمت بغير إذنه ...صحت، وبه قال مالك، وأحمد، وأكثر أهل العلم.

وقال أبو حنيفة، والأوزاعي :(لا تصح إقامتها إلا بإذن الإمام أو الوالي من قبله).

وحكى بعض أصحابنا :أن هذا قول الشافعي فى القديم، وليس بمشهور.

وقال محمد :إن مات الإمام، فقدم الناس رجلًا يصلي بهم الجمعة ...جاز ذلك؛ لأن ذلك موضع ضرورة.

دليلنا :قوله -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :-من كان يؤمن بالله واليوم الآخر ...فعليه الجمعة .ولم يفرق بين أن يكون فيها إمام أو لم يكن.

وروى :أن النبى -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -قال :سيأتى بعدى أُمراء يؤخرون الصلاة عن مواقيتها، فصلوا الصلاة لوقتها، واجعلوا صلاتكم معهم سُبحة .ولم يفرق بين الجمعة وغيرها.

وروى :(أن الوليد بن عقبة أخر الصلاة بالكوفة، فصلى بهم ابن مسعود الجمعة) . ولم ينكر عليه أحد من الصحابة، ولأنها صلاة، فجاز إقامتها بغير إذن الإمام، كسائر الصلوات(البيان فى مذهب الإمام الشافعي، ج۲،ص ۶۱۹،باب صلاة الجمعة،مسألة تقام الجمعة بإذن الإمام)

۲؎ فلا يبيح التخلف عنها، ولا عن الجماعة إن لم يأذن لهم الإمام فى التخلف بل (وإن أذن) لهم (الإمام) فى التخلف عن الجمعة والجماعة إذ لا حق له فيه إنما هو لله وحده(منح الجليل شرح مختصر خليل، ج۱،ص ۴۵۳،فصل فى بيان شروط الجمعة وسننها ومندوباتها ومكروهاتها ومسقطاتها)

وبهذا يظهر أن الإمام لو قال :لا تقيموا الجمعة إلا بإذنى لم يكن ذلك حكما وان كانت مسألة مختلف فيها، هل تفتقر الجمعة إلى إذن السلطان أم لا؟ وللناس أن يقيموها بغير إذن الإمام، إلا أن يكون ذلك صورة المشاقة، وخرق الولاية، وإظهار الفساد والمخالفة فممتنعة إقامتها بغير أمره، لأجل (ذلك لا ل) انه خلاف اتصل به حكم حاكم، وقد قاله بعض الفقهاء ، وليس بصحيح، بل حكم الحاكم إنما يؤثر إذا أنشأ فى مسألة اجتهاد تتقارب فيها المدارك، لأجل مصلحة دنيوية، فاشتراط قيد الإنشاء احتراز من أحكمه فى مواقع الإجماع فإن ذلك إخبار وتنفيذ محض، وفى مواقع الخلاف ينشىء حكما وهو إلزاما أحد القولين اللذين قيل بهما فى المسألة ويكون إنشاؤه اخبارا خاصا عن الله تعالى فى تلك الصورة فى ذلك الباب، وجعل لله تعالى إنشاء ه فى مواطن الخلاف قضاء ورد من قبله فى خصوص تلك الصورة(شرح المنهج المنتخب إلى قواعد المذهب، ج۲،ص ۶۱۵،فصل فى القضاء والشهادة)

www.idaraghufran.org

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا حوالہ

برّصغیر کی معروف علمی شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اذنِ حاکم کو جمعہ کے لیے ضروری قرار نہیں دیا، البتہ حاکم کا پہلا حق ہونے کو اولیٰ قرار دیا ہے، جس طرح جنازہ وغیرہ میں حاکم کا حق اولیٰ ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب ''حجة الله البالغة'' میں جمعہ کی نماز کے متعلق فرماتے ہیں:

ولا يشترط أربعون، وأن الأمراء أحق بإقامة الصلاة وهو قول علی كرم الله وجهه: أربع إلى الإمام الخ، وليس وجود الإمام شرطا(حجة الله البالغة، ج ۲ ص ۴۷، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها، العيدان)

ترجمہ: اور (میرے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے) چالیس افراد شرط نہیں، اور حکمران جمعہ کی نماز قائم کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، یہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ ''چار چیزیں امام (یعنی مسلمان حکمران) کی طرف سپرد کی گئی ہیں، الخ'' اور امام کا وجود (صحتِ جمعہ کے لیے) شرط نہیں (حجۃ اللہ البالغۃ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ''مصفّٰی'' میں فرماتے ہیں:

واما امامتِ خلیفہ یا نائب او، پس امر مستمرہ بود و منشاء آن امر است بتقدم والی در محل ولایتِ خود پس مخصوص باشد بحضور والی و بطریق استحباب باشد، چنانکہ تقدیم اقرء بر اعلم و سائر نظائر مسئلہ و اثر حضرت علی کہ اربع الی الامام، الخ، محمول بر ندب تقدم والی در محل ولایۃ خود است (مصفّٰی، ج ۱ ص ۱۵۲، باب التشديد علىٰ من ترك الجمعة بغير عذر، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: جہاں تک خلیفہ یا اس کے نائب کی امامت کا تعلق ہے، تو یہ ایک مستقل معمول رہا ہے، لیکن اس کی منشاء دراصل کسی بھی والی کے اپنی ولایت کے محل میں آگے بڑھنا ہے، پس یہ مستحب طریقہ پر والی کے حاضر ہونے کے ساتھ خاص ہوگا، جیسا کہ قاری کی عالم پر تقدیم کا تعلق ہے، اور اس مسئلہ کی دوسری نظائر کا تعلق ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر کہ چار چیزیں امام کے سپرد ہیں، الخ، تو یہ والی کے اس کی ولایت میں مقدم ہونے کے مندوب ہونے پر محمول ہے (مصفّٰی)

معلوم ہوا کہ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، بھی جمعہ کے لیے حکمران اور اس کی اجازت کو صحتِ جمعہ کے لیے شرط اور ضروری قرار نہیں دیتے۔ [1]

اور حنفیہ کی ''ظاھرُ الروایۃ'' میں سلطان، یا اس کا مجاز نمائندہ و نائب، جمعہ کے لیے شرط ہے، لیکن بعض نے اس کو انتظامی نوعیت کی شرط قرار دیا ہے، اور اذنِ عام کی شرط حنفیہ کی ''ظاھرُ الروایۃ'' میں نہیں، صرف ''نادرُ الروایۃ'' میں اس کا ذکر ہے، اور وہ بھی محققینِ حنفیہ کے نزدیک حکمران کے جمعہ قائم کرنے کو اپنے ساتھ مختص نہ رکھنے، یا اس کی طرف سے تعددِ جمعہ کی علی الاعلان، باضابطہ اجازت کی صورت میں ضروری نہیں رہتی، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لیکن ان سب باتوں کو نظر انداز کرکے، مسلکہ نرالے فتوے میں لاک ڈاؤن (Lockdown) کے حالات میں دنیا بھر میں مختلف مسالک سے وابستہ لوگوں کی نمازِ جمعہ کو ناجائز قرار دے دیا گیا ہے، جیسا کہ تمام ملکوں میں حنفیہ سے وابستہ لوگ ہی آباد ہوں، یا سب کسی ایک نرالے مفتی صاحب کے ایک نرالے فتوے کے مکلّف و پابند ہوں۔

---

[1] اس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے مضامین میں ذکر کردی ہے۔ محمد رضوان خان۔

www.idaraghufran.org

اب اس سلسلے میں حنفیہ کا موقف کچھ تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

''شرح مختصرُ الطحاوی'' کا حوالہ

امام ابو بکر جصاص (المتوفیٰ: 370ھ) نے ''شرح مختصرُ الطحاوی'' میں امام طحاوی (المتوفیٰ: 321ھ) کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''جمعہ کو سلطنت والا ہی قائم کر سکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کی نماز کو امام بن کر سرانجام دینا ثابت ہے، اور آپ سلطان تھے۔

اور یہی بات بعض صحابۂ کرام سے مروی ہے۔

نیز ہر ایک کو خود سے اجتماع کے بغیر تنہا جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں، جس کی وجہ سے یہ حدود کے مشابہ ہے کہ جن کو قائم کرنا ہر ایک کے لیے جائز نہیں، اور جمعہ کی نماز، دوسری نمازوں کی طرح نہیں ہے، کیونکہ دوسری نمازیں، ہر ایک کو تنہا پڑھنا جائز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے، جمعہ کی نماز کو سلطان ہی قائم کرتے آئے ہیں۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر سلطان کے بغیر، نمازِ جمعہ جائز ہوگی، تو اس میں لوگ جھگڑیں گے، اور ہر ایک کے لیے اپنی مسجد میں جمعہ قائم کرنا جائز ہو جائے گا، لہٰذا اس کے لیے سلطان کی ضرورت ہوگی، جو کسی شخص کو جمعہ قائم کرنے کے لیے متعین کرے، تاکہ تنازع کا خاتمہ ہو جائے، اور اختلاف کا مادہ ختم ہو جائے''۔

انتھیٰ۔ [1]

---

[1] قال :(ولا يقوم بها إلا ذو سلطان)وذلك لقول النبي صلى الله عليه وسلم "صلوا كما رأيتموني أصلي"، وكان فعله لها بإمام، فهو سلطان.

وقد روى نحو قولنا عن الزهري، وسليمان بن يسار، ورواه الحسن عن رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک، جمعہ کو قائم کرنے کا حق، حکمران کو حاصل ہے، کسی دوسرے کو حاصل نہیں، اور جمعہ کا حکمران کو حق حاصل ہونے کی حنفیہ نے مختلف حکمتیں بیان کی ہیں، جن میں ایک حکمت لوگوں کو جھگڑے اور اختلاف اور اس کی بنیاد پر اپنی حسبِ خواہش جگہ جگہ، جمعہ قائم کرکے انتشار وافتراق کی فضاء سے بچانے کی ہے۔

اسی وجہ سے فقہائے حنفیہ نے سلطان، یا اُس کے نائب کے جمعہ وعید پڑھ لینے، اور بعض لوگوں کے اس سے رہ جانے کے بعد قضاء نہ ہونے کی وجہ، سلطان وغیرہ کی شرط نہ پائے جانے کی بیان کی ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک اس باب میں راجح یہ ہے کہ جمعہ وعیدین کا حکم یکساں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأيضًا :لما لم يجز لكل واحد من الناس فعلها منفردًا دون الاجتماع.
أشبهت الحدود التى لا لزم الكافة إقامتها، لم يجز لكل واحد إقامتها منفردًا قيام الإمام بها.
وليست كسائر الصلوات؛ لأن لكل أحد فعلها منفردًا.
وأيضًا :لما كان فعل النبى صلى الله عليه وسلم للجمعة على وجه البيان، كان الإمام شرطًا فيها، لأنه يقتضى الوجوب، وكذلك فعلها.
ولم ينقل أيضًا فعلها من لدن النبى صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا إلا بسلطان، فدل أنه من شرطها.
وأيضًا :لو جازت بغير سلطان، لتنازعها الناس، ولجاز لكل أحد أن يفعلها فى مسجد، فاحتيج لذلك فيها إلى سلطان يقيم رجلاً بعينه، ليقطع التنازع، ويحسم الخلاف(شرح مختصر الطحاوى، ج٢، ص١٢٦، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعةمسألة :اشتراك السلطان لإقامة الجمعة)

[1] قال الحنفية :كل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين، وجوازها، من الإمام والجماعة، والمصر، والوقت، إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة، ولو تركها جازت صلاة العيد.
أما الإمام أى حضور السلطان أو الحاكم أو نائبه :فهو شرط أداء العيد كالجمعة، لما ثبت فى السنة، ولأنه لو لم يشترط السلطان، لأدى إلى الفتنة، بسبب تجمع الناس، وتنازعهم على التقدم للإمامة لما فيها من الشرف والعلو والرفعة(الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ للزحيلى،ج٢،ص١٣٨٩، الباب الثانى : الصلاة ، الفصل العاشر،المبحث الرابع ـ صلاة العيدين)
قلت :أرأيت الرجل الذى لا يريد أن يشهد الجمعة، وليس له عذر من مرض ولا غيره، متى يصلى الظهر؟ قال . يصليها حين ينصرف الإمام من الجمعة .قلت :فإن صلى قبل ذلك؟ قال :يجزيه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ فقہائے حنفیہ نے جہاں نمازِ جمعہ کی صحت کے لیے سلطان کو ضروری قرار دیا ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شہر میں سلطان، خود جمعہ پڑھائے، اور جہاں سلطان جمعہ نہ پڑھائے، ان شہروں میں جمعہ ہی نہ ادا کیا جائے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ ہر جگہ جمعہ کو قائم کرنے کا حق، سلطان یا خلیفہ کو حاصل ہے، وہ جہاں چاہے، جمعہ پڑھائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت :أرأيت الإمام يمر بمصر من الأمصار أو بمدينة من المدائن فيجمع يوم الجمعة بأهلها وهو مسافر هل يجزيهم؟ قال :نعم .قلت :لم؟ قال :لأن الإمام فى هذا لا يشبه غيره؛ ألا ترى أنه لا يكون جمعة إلا بإمام .

قلت :أرأيت رجلا صلى بالناس يوم الجمعة ركعتين من غير أن يأمره الأمير؟ قال :لا يجزيهم، وعليهم أن يستقبلوا الظهر .قلت :فإن كان الأمير أمره بذلك أو كان خليفة الأمير أو صاحب شرطة أو القاضى؟ قال :تجزيهم صلاتهم(الأَصْلُ،لمحمد بن الحسن، ج ا ،ص ۳۱۰،باب صلاة الجمعة)

ولا تجوز إقامتها إلا بالسطان أو من أمره السلطان(المختصر للقدورى،ص ۱۷ ،باب صلاة الجمعة)

والسلطان من شرائط الجمعة عندنا خلافا للشافعي(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج ۲، ص ۲۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

رجل صلى الجمعة بالناس بغير إذن الإمام أو خليفته أو صاحب الشرط أو القاضى لم يجزئهم لما بينا أن السلطان شرط لإقامتها وقد عدم(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى،ج ۲،ص ۳۴، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

إقامة الجمعة والعيدين إليه(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى،ج ۲،ص ۶۲،دفن الميت قبل الصلاة عليه)

جعلنا -السلطان شرطا فى الجمعة(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى،ج ۲،ص ۱۲۰ ،باب الجمعة)

ولا يصح افتتاح الجمعة ممن لا يكون مستجمعا لشرائطها ومن شرائطها السلطان فلهذا لا يجزيهم إلا أن يكون المتقدم ذا سلطان(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى،ج ۲،ص ۱۲۲ ، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

صلاة العيد إذا فاتت لا تقضى عندنا لأنها لم تشرع إلا بجماعة وسلطان، والمنفرد عاجز عن تحصيلها(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج ا ،ص ۱۵۰ ،الفصل الخامس فى التيمم)

وقوله :وتصح صلاة العيدين بما تصح به الجمعة إشارة إلى اشتراط المصر والسلطان(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،ج ۲،ص ۱۰۰ ،الفصل السادس والعشرون فى صلاة العيدين)

ولا شىء على من فاتته صلاة العيد مع الإمام، وقال الشافعي :يصلى وحده كما يصلى مع الإمام، وهذا بناء على أن المنفرد هل يصلى صلاة العيد؟ عندنا لا يصلى، وعنده يصلى؛ لأن الجماعة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

البتہ سلطان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مختلف شہروں میں وہاں کے امیرِ مصر، یا قاضی کو جمعہ قائم کرنے کے لیے مقرر کردے، ایسی صورت میں اس شہر کا وہ امیر یا قاضی، سلطان یا خلیفہ کا نائب کہلائے گا، اور جب تک یہ سلطان یا خلیفہ کا نائب ہو، اس وقت تک، اس کی امامت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والسلطان ليس بشرط عنده، فكان له أن يصلي وحده، فإذا فاتته مع الإمام لم يعجز عن قضائها.
فقال بالقضاء كالتراويح إذا فاتت بالجماعة في رمضان يقضيها وحده؛ لأنه قادر على قضائها، لأنه يجوز الأداء منفردا كما يجوز بجماعة كذا ههنا .وعلماؤنا رحمهم الله قالوا :لا يجوز إقامتها إلا بشرائط مخصوصة منها الإمام، فإذا فاتت مع الإمام فقد عجز عن قضائها، فلا يلزمه القضاء (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٢،ص ١١٢ ،الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين)
وإن فسدت بخروج الوقت أو فاتت عن وقتها مع الإمام سقطت، ولا يقضيها عندنا(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ١ ،ص ٢٧٩، كتاب الصلاة،فصل صلاة العيدين)
ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام لم يقضها لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد(الهداية في شرح بداية المبتدى، ج ١ ،ص ٨٥، كتاب الصلاة،باب :صلاة العيدين)
وفي "السامع "فيشترط بصلاة العيد ما يشترط للجمعة الخطبة، فإنها سنة فيها.
وفي "الولوالجي :"شروط العيد مثل شروط الجمعة في المصر، والقوم والسلطان والوقت إلا الخطبة(البناية شرح الهداية، ج٣،ص ١١٨، كتاب الصلاة،باب :صلاة العيدين)
(لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد) ش :أراد بالشرائط هي الشرائط المخصوصة بها، نحو الجماعة والسلطان والمصر والمنفرد عاجز عن ذلك، فلا يجب عليه صلاتها(البناية شرح الهداية، ج٣،ص ١٢٠، كتاب الصلاة،باب :صلاة العيدين)
وقوله (ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام) أي أدى الإمام صلاة العيد ولم يؤدها هو (لم يقضها) عندنا خلافا للشافعي فإنه قال :يصلي وحده كما يصلي مع الإمام لأن الجماعة والسلطان ليس بشرط عنده فكان له أن يصلي وحده.
وعندنا هي صلاة لا تجوز إقامتها إلا بشرائط مخصوصة من الجماعة والسلطان، فإذا فاتت عجز عن قضائها(العناية شرح الهداية، ج٢،ص ٧٩، كتاب الصلاة،باب :صلاة العيدين)
(ولا تقضى) صلاة العيد (إن فاتت مع الإمام) كلمة مع متعلقة بالضمير المستتر في فاتت لا بفاتت والمعنى أن الإمام لو صلاها مع جماعة وفاتت عنه الصلاة بالجماعة لا يقضيها من فاتته وعند الأئمة الثلاثة تقضى(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ١ ،ص ١٧٤، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)
ويشترط للعيد ما يشترط للجمعة من المصر والسلطان والأذان العام إلا في شيئين أحدهما في الخطبة والخطبة في صلاة العيد تخالف الخطبة في الجمعة من وجهين أحدهما أن الجمعة لا تجوز بدون الخطبة وصلاة العيد تجوز بدونها والثاني أن في الجمعة تقدم الخطبة على الصلاة وفي العيدين تؤخر عن الصلاة فإن قدم الخطبة في صلاة العيد جاز أيضاً ولا تعاد الخطبة بعد الصلاة (فتاوى قاضي خان، ج ١ ،ص ١٤٢ ،كتاب الصلاة)

میں جمعہ قائم کرنے کا حکم سلطان، یا خلیفہ والا ہی ہوگا۔

نیز اگر مسلمان، حکمران کی طرف سے لوگوں کو اپنے اپنے طور پر خود سے امام مقرر کرکے مختلف مقامات پر جمعہ قائم کرنے کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت ہو، یعنی اس کی طرف سے اس طرزِ عمل کی ممانعت نہ ہو، جیسا کہ آج کل ملکِ پاکستان وغیرہ میں یہ صورتِ حال ہے، تو یہ بھی اذنِ حاکم میں داخل ہے، یعنی یہ اذنِ حاکم کی ایک وسیع ترین شکل ہے، جو پہلے زمانوں میں عام طور پر نہیں پائی جاتی تھی، اس صورت میں ظاہر ہے کہ لوگوں کے صحتِ جمعہ کے لیے کوئی مخصوص امام ضروری نہ ہوگا۔ [1]

تاہم بعض حنفیہ نے سلطان کی شرط کو انتظامی نوعیت کی قرار دیا ہے کہ بڑے مجمع میں فتنہ و انتشار کا خوف ہوتا ہے، اور سلطان وامیر کی وجہ سے اس قسم کے فتنوں سے حفاظت رہتی ہے۔

اسی وجہ سے حکمران کے بغیر فتنہ لازم نہ آنے کی صورت میں ان اہلِ علم حضرات نے حکمران کی شرط کو ضروری قرار نہیں دیا (ملاحظہ ہو: عمدۃ الفقہ، حصہ دوم، صفحہ ۴۴۴)

جبکہ بعض احناف نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے سلطان وامیر کے شرط ہونے کی کوئی معتبر دلیل نہیں ''کما قال مولانا بحر العلوم فی رسائل الارکان: **ولم اطلع علی دلیل ، یفید اشتراط امر السلطان** '' (ملاحظہ ہو: فتاویٰ محمودیہ مبوب، جلد ۸ صفحہ ۵۰ تا ۵۲، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ: ادارۃ الفاروق، کراچی، تاریخ طبع: 2005ء)

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین اور حکمرانوں کی شکل میں جمعہ وعیدین کی امامت اور جمعہ کے قیام کا تعلق ہے، تو اس میں شبہ نہیں کہ ابتدائے اسلام میں یہ اور اس طرح کے بہت سے امور حکمران ہی انجام دیتے تھے، بلکہ شہروں میں فرض نمازوں

---

[1] فالحاصل ان حق التقدم فی اقامۃ الجمعۃ حق الخلیفۃ الا انہ لا یقدر ، ولا اقامۃ ہذا الحق بنفسہ فی کل الامصار،فیقیمہا غیرہ بنیابتہ ، فالسابق فی ہذہ النیابۃ فی کل بلد الامیر الذی ولی علی تلک البلدۃ ،ثم الشرط ، ثم القاضی، ثم الذی ولاہ قاضی القضاۃ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ، ج ۲ ص ۵۶، کتاب الصلاۃ، الفصل الخامس والعشرون فی صلاۃ الجمعۃ ، النوع الثانی فی بیان شرائط الجمعۃ، مطبوعۃ : ادارۃ القرآن ، کراتشی، الباکستان، تاریخ الطبع: 1990ء)

www.idaraghufran.org

کی امامت اور جنازہ وغیرہ کی امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

اور فقہائے حنفیہ نے جنازہ کی امامت کا ابتدائی استحقاق بھی سلطان کے لیے قرار دیا ہے۔ [1]

لیکن آج کے دور میں سلطان وامراء نے ان امور، بلکہ دین کے احکام سے اپنے آپ کو کافی الگ تھلگ کرلیا ہے، پس جس طرح جنازہ کے لیے آج حکمران کی موجودگی ، یا اس کی اجازت کو ضروری قرار نہیں دیا جاتا، اسی طرح جمعہ کی ادائیگی وصحت کے لیے بھی اس کی اجازت ، ضروری نہ ہونی چاہئے، البتہ انتظامی طور پر ضروری قرار دی جائے، اور خلاف ورزی کو قانون شکنی اور معصیتِ ولاۃ کی وجہ سے منع کیا جائے، تو الگ معاملہ ہے۔

اور بندہ سمجھتا ہے کہ سابق فقہاء اگر حکمرانوں، اور رعایا، نیز تمدنی زندگی کے موجودہ حالات کا مشاہدہ فرماتے، تو وہ سلطان کی شرط کو صحتِ جمعہ کی حیثیت سے لازم اور شرط قرار نہ دیتے۔

امام ابوبکر جصاص نے ''شرح مختصرُ الطحاوی''میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

''جمعہ، امام کے علاوہ تین افراد ہی قائم کر سکتے ہیں، جس کی دلیل، اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ''وإذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر اللّٰہ'' اس کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تھوڑا اور زیادہ تعداد کے لوگوں کا جمعہ کو قائم کرنا جائز ہے۔

---

[1] وإمام الحی أحق بالصلاة علی المیت وحاصل المذهب عندنا أن السلطان إذا حضر فهو أحق بالصلاة علیه لأن إقامة الجمعة والعیدین إلیه فکذلک الصلاة علی من کان یحضر الجمعة والعیدین ولأن فی المتقدم علی السلطان ازدراء به والمأمور فی حقه التوقیر(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج۲، ص۶۲، باب غسل المیت)

قال أصحابنا :إذا حضر السلطان فهو أولی بالصلاة علی المیت .وعن أبی یوسف أن المولی أحق(التجرید للقدوری، ج۳، ۱۱۰۰، مسائل الجنائز، مسألة :السلطان أولی بالصلاة علی المیت)

(قوله :وذلک أن تقدیم الولاة واجب) لأن فی التقدیم علیهم ازدراء بهم، وتعظیم أولی الأمر واجب، کذا فی الفتح .وصرح فی الولوالجیة والإیضاح وغیرهما بوجوب تقدیم السلطان، وعلله فی المنبع وغیره بأنه نائب النبی -صلی الله علیه وسلم- الذی هو أولی بالمؤمنین من أنفسهم فیکون هو أیضا کذلک إسماعیل(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲، ص۲۲۰، باب صلاة الجنازة)

www.idaraghufran.org

اور امام ابویوسف کے بارے میں ایک روایت یہ مشہور ہے کہ انہوں نے امام کے علاوہ دو افراد کو جمعہ کی نماز کے لیے کافی قرار دیا ہے، لیکن میں نے ان کی روایت کو کسی سے منقول نہیں پایا“۔ انتھٰی۔ [1]

---

[1] قال أبو جعفر :(ولا تقوم الجمعة إلا بثلاثة سوى الإمام، وقال أبو يوسف بأخرة :اثنان سوى الإمام)

قال أبو بكر :الحجة قول الله عز وجل :(وإذا نوى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله) واقتضى ظاهرة جوازها بقليل العدد وكثيرة، فبطل به قول من شرط أربعين رجلاً.

فإن قيل :نثبت أنها جمعة أولاً، ثم نعتبر العموم.

قيل له :ليس كذلك؛ لأنه أمرنا بالسعى إلى الذكر إذا نودى للصلاة؛ فاقتضى الظاهر وجوبها بحصول النداء .

ويدل عليه ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم " :إن الله فرض عليكم الجمعة فى مقامى هذا"، ولم يشترط عددًا، فظاهره يقتضى جوازها بسائر الأعداد.

وأيضًا :روى عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه في قول الله عز وجل :(وتركوك قائمًا) :قال: قدمت عير فانفضوا إليهان ولم يبق إلا أثنا عشر رجلاً.

ولم تختلف الرواية أن ذلك كان فى شأن الجمعة، ولم يذكر رجوعهم بعد ما انفضوا، ومعلوم أن النبى صلى الله عليه وسلم لم يترك الجمعة منذ قدم المدينة، فدل على أنه صلاها بهذا العدد؛ لأنهم لو كانوا رجعوا لنقل، فلما لم ينقل :لم يجز إثبات رجوعهم، فدل على بطلان اعتبار الأربعين.

وروى الواقدى بأسانيد ذكرها أن أول من جمع فى الإسلام مصعب بن عمير رضى الله عنه حين قدم المدينة، وأمره النبى صلى الله عليه وسلم وهو بمكة، كتب إليه أن يصلى الجمعة بعد زوار الشمس ركعتين.

وأن يخطب، فجمع مصعب بن عمير رضى الله عنه فى دار سعد بن خيشمة رضى الله عنه، وهم اثنا عشر رجلاً.

قال الواقدى :وقد روى قوم من الأنصار أن أول من جمع بهم أبو أمامة أسعد بن زرارة رضى الله عنه.

وأيضًا :فقد اتفق الجميع على أن من شرائطها :جمعًا تنعقد بهم الجمعة سوى الإمام، وقد وجدنا الجمع الصحيح ثلاثة، وما دونها من الجمع مختلف فيه، ألا ترى أن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه كان إذا كان معه رجلان، أقام أحدهما عن يمينه، والآخر عن يساره، فوجب أن لا يختلف حكم الثلاثة وما فوقها إذا لم يختلفا من حيث هو جمع صحيح، يصلح أن يكونوا أئمة فى الجمعة.

وكما اتفقوا فى الأربعين، كان الثلاثة مثلهم، لاتفاقها فى باب الجمع الصحيح.

فإن قيل :فى حديث كعب بن مالك :أن أول جمعة جمعت بالمدينة، بأربعين رجلاً.

قيل له :ليس فيها :لا يجوز بأقل منها، وهو كما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم "أنه قطع رجلاً

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک، جمعہ قائم ہونے کے لیے، امام سمیت چار افراد کا ہونا کافی ہے، اگر کہیں صرف چار افراد جمع ہوکر نمازِ جمعہ پڑھیں، تو ان کا نمازِ جمعہ درست ہے۔

اس کے علاوہ امام ابوبکر جصاص نے ''شرح مختصرُ الطحاوی ''میں ایک مقام پر، امام طحاوی کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''لوگوں کے لیے شہر میں دو مسجدوں میں جمعہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور دو سے زیادہ مقامات پر جمعہ پڑھنا جائز نہیں، امام محمد سے اسی طرح مروی ہے۔

اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ایک شہر میں نمازِ جمعہ دو جگہ، اس وقت تک جائز نہیں، جب تک اس شہر کی اس طرح دو جانب نہ ہوں کہ ان کے درمیان نہر ہو، اس صورت میں نہر کی دونوں جانب کے وہ دونوں حصے دو شہروں کی طرح ہوجائیں گے، اور اگر دو مسجدوں (یعنی دو مقامات پر ہونے والی جمعہ کی نمازوں) کے درمیان نہر نہ ہو، تو (امام ابو یوسف کے نزدیک) جمعہ اسی کا معتبر ہوگا، جو اُن میں سے پہلے پڑھے گا، اور بعد میں پڑھنے والوں پر ظہر کو لوٹانا واجب ہوگا۔

ابوبکر آمد نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ سے اس بارے میں کوئی بات محفوظ نہیں، اور پہلا قول امام محمد کا ہے، جو مسجد اور عیدگاہ میں، عید کی نماز کے مشابہ ہونے پر مبنی ہے، اور جب عید کی نماز دو مقامات پر جائز ہے، تو جمعہ بھی دو مقامات پر جائز ہوگا۔

اور امام ابو یوسف کا فرمانا یہ ہے کہ اگر جمعہ، دو مسجدوں میں جائز ہوگا، تو تین میں اور چار میں بھی جائز ہوگا، یہاں تک کہ ہر مسجد والوں کے لیے پڑھنا جائز ہوگا، اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فی جمل سرقہ"، فلا یکون تقدیرًا لم یقطع فیہ السارق.

وأما ما حکاہ عن أبی یوسف، فإنہ غیر مشہور عنہ، ولم أجد أحد حکی عنہ(شرح مختصر الطحاوی، ج۲،ص ۱۲۶ الیٰ ۱۳۰، کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجمعۃ،مسألۃ :العدد الذی تنعقد بہ الجمعۃ)

www.idaraghufran.org

یہ بالاجماع ناجائز ہے، پس اسی طریقے سے دومسجدوں میں پڑھنا بھی ناجائز ہے۔

ابوبکرفرماتے ہیں کہ حسن کرخی نے خلف بن ایوب کے واسطے سے، امام ابویوسف کا ایک قول یہ روایت کیا ہے کہ شہر میں دومقامات پر جمعہ جائز ہے، لیکن تین مقامات پر جائز نہیں، اور امام محمد نے فرمایا کہ تین مقامات پر جائز ہے‘‘۔انتھیٰ۔ [1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ جائز ہونے کے متعلق، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی بات صراحت کے ساتھ مروی نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ کے دوشاگردوں، یعنی امام محمد اور امام ابویوسف کا اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

---

[1] قال :(ولا بـأس بأن يجمع الناس في المصر في مسجدين، ولا يجمع فيما هو أكثر من ذلك، هكذا روى محمد)

وقال أبو يوسف :لا يجوز الا في مصر يكون جانبين، بينهما نهر، فيكون كمصرين، وإن لم يكن بين المسجدين نهر :فالجمعة لمن سبق منهما، وعلى الآخرين أن يعيدوا ظهرًا.

قال أبو بكر أمد :لا يحفظ عن أبي حنيفة في ذلك شيء، والأول هو قول محمد، شبهة بصلاة العيدين في المسجد، والجبانة.

وقو روى أن عليًا رضي الله عنه كان يخلف رجلاً يصلي العيد بضعفه الناس في المسجد، ويخرج هو، فيصلي بهم في الجبانة.

والجبانة في حكم المصر، لولا ذلك لما أجزأ فيها صلاة العيد؛ لأن من شرطها أن تفعل في المصر، فلما جاز ذلك في العيد بالاتفاق، جاز في الجمعة، إذ كان من شرطهما جميعًا المصر.

ولأبي يوسف :أنه لو جاز في مسجدين :جاز في ثلاثة وأربعة، حتى يصلي في كل مسجد، وهذا ساقط بإجماع، فكذلك في مسجدين.

فأما إذا كان بين المسجدين نهر عظيم، مثل دجلة، فإن الجانبين يكونان كالمصرين، فيجوز.

(مسألة:)قال :(فإن صلى أهل المسجدين معًا :فسدت صلاتهم جميعًا في قول أبي يوسف)

يعني في المصر الذي ليس فيه نهر؛ لأن أحدهما ليس بأولى لجواز الصلاة فيه من الآخر.

قال أبو بكر أحمد :وقد حكى أبو الحسن الكرخي رحمه الله عن خلف بن أيوب عن أبي يوسف أنه قال :تجزء الجمعة في موضعين من المصر، ولا تجزء في ثلاثة.

قال :وقال محمد :تجزء(شرح مختصر الطحاوي، ج۲،ص ۱۳۳ الیٰ ۱۳۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة،مسألة :تعدد الجمعة في المصر)

www.idaraghufran.org

لیکن مذکورہ تینوں حضرات میں سے کسی سے بھی تین سے زیادہ مقامات پر جمعہ کا جواز بصراحت ثابت نہیں۔

اسی وجہ سے متعدد حنفیہ نے امام ابوحنیفہ، یا امام محمد، یا امام ابو یوسف کی طرف ایک شہر میں تین سے زیادہ مقامات پر جمعہ کے جواز کو باطل اور بے سند قرار دیا ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس زمانے میں یہ حکم بیان کیا گیا، اس وقت شہروں میں عموماً ایک مقام پر ہی جمعہ کو قائم کیا جاتا تھا۔

اور بغداد جیسے شہر میں بڑی نہر کے دونوں اطراف میں جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ جمعہ کے دن، پل کو الگ کرنے کا حکم فرماتے تھے، تاکہ دونوں اطراف ایک دوسرے سے جدا ہو کر دو شہروں جیسا حکم حاصل کرلیں، اور اس طرح ایک شہر میں صرف ایک مقام پر ہی جمعہ کی نماز پڑھنا کہلائے۔

اسی کے ساتھ سابق زمانوں میں جمعہ کے وقت، شہروں میں جامع مسجد کے علاوہ تمام مسجدوں کو بند رکھا جاتا تھا، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔

''الکافی فی الفروع'' کا حوالہ

حاکم شہید نے ''الکافی فی الفروع'' میں فرمایا کہ:

''امام طحاوی نے امام ابو یوسف کے بارے میں امام کے علاوہ، دو افراد کے جمعہ قائم کرنے کا قول روایت کیا ہے۔

اور امام محمد کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کو ایک شہر کے اندر دو مسجدوں میں جمعہ قائم کروانا جائز ہے، اس سے زیادہ میں جائز نہیں۔

اور اصحابِ املاء نے امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ ایک شہر میں دو مسجدوں کے اندر بھی جمعہ جائز نہیں، سوائے اس کے کہ شہر کے درمیان نہر ہو،

ایسی صورت میں اس کے دونوں اطراف کا حکم دوشہروں کی طرح ہوجائے گا۔
اور اگر نہر درمیان میں حائل نہ ہو، تو جمعہ پہلے پڑھنے والوں ہی کا صحیح ہوگا، اور دوسرے لوگ اپنی ظہر کا اعادہ کریں گے۔
اور اگر دونوں مسجد والے ایک ساتھ جمعہ پڑھیں، تو ان سب کا جمعہ باطل ہوجائے گا''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے جمعہ کو ایک سے زیادہ مقامات پر قائم کرنے کے متعلق امام ابو یوسف، اور امام محمد کا قول معلوم ہوا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ''الکافی'' کی عبارت سے، دو سے زیادہ مقامات پر جمعہ کا جواز ثابت نہیں۔

حاکم شہید کی ''الکافی'' میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ سے متعلق ہمیں صرف مذکورہ عبارت ہی دستیاب ہوئی، اور جو بعض حضرات نے حاکم شہید کی ''الکافی'' کی طرف اذنِ عام وغیرہ کے متعلق ایک جزئیہ کو منسوب کیا ہے، جیسا کہ آگے ''شامیة'' وغیرہ کے حوالے سے آتا ہے، اور منسلکہ فتوے میں بھی اس کو نمایاں خبر کے طور پر شائع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تو اس جزئیہ کا حاکم شہید کی ''الکافی'' میں ہمیں تلاشِ بسیار کے باوجود کوئی وجود نہیں ملا ''ومن ادعٰی ، فعلیه البیان''۔

البتہ حاکم شہید کی دوسری کتاب ''المنتقٰی'' کے حوالے سے اذنِ عام سے متعلق ایک دوسرا

---

[1] وحکی الطحاوی عن ابی یوسف برجلین سوی الامام ، وقام الجمعة.
(حکی عن محمد انه قال لاباس بان یجمع الامام بالناس فی مسجدین فی مصر واحد، ولا یجمع اکثر منه.
وروی الاصحاب الاملاء عن ابی یوسف انه قال لایجوز ان یجمع فی مسجدین فی مصر واحد الا ان یکون بینها نهر، فیکون حکمه حکم المصرین.
وان لم یکن بینهما نهر، فالجمعة ممن سبق الیها، ویعیدالآخرون.
وان صلی اهل المسجدین معا فصلاتهم فاسدة (الکافی فی الفروع، الجزء الاول، ص ۲۵، کتاب الطهارة، باب صلاة الجمعة، قبل صلاة العید، مخطوطة ، المکتبة الازهریة)

www.idaraghufran.org

''غیر ظاھرُ الروایة ''یعنی''نادرُ الروایات'' کا جزئیہ ملتا ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے، ممکن ہے کہ حاکم شہید کی''المنتقیٰ'' کے بجائے''الکافی'' خطاء سے تحریر کردیا گیا ہو، کیونکہ''الکافی'' بھی حاکم شہید ہی کی تالیف ہے۔

''ابنِ کمال باشا'' کا حوالہ

''ابنِ کمال باشا'' نے تعدُّدِ جمعہ کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ تالیف کیا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ:

> ''الحصر میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ دو مقامات پر جائز نہیں، اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف دو مقامات پر جائز ہے، لیکن امام ابو یوسف نے یہ شرط لگائی ہے کہ دونوں جمعہ قائم ہونے والے مقامات کے درمیان بڑی نہر فاصل ہو۔
>
> اور امام محمد نے متعدد مقامات پر جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، اور کنز میں اسی کی پیروی کی گئی ہے، اور زیلعی نے''کثیرة'' کے الفاظ زیادہ کیے ہیں، لیکن یہ زیادتی باطل ہے، جس کو وہ اپنے پاس سے لائے ہیں، اور اس کا روایت میں کوئی وجود نہیں، بلکہ وہ ہر ایک جس نے مواضع، یا جوامع کا لفظ بولا ہے، جیسا کہ نظم میں ہے، اس نے تین مقامات کو مراد لیا ہے، اور جس نے دو یا زیادہ مقامات کا لفظ بولا ہے، اس نے فقط تین کو مراد لیا ہے۔
>
> پھر ابنِ کمال باشا نے متعدد حوالہ جات سے مذکورہ مدعا کو ثابت کیا ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ''مجمع البحرین ''اور''الدرر'' وغیرہ میں جو اطلاق کے ساتھ متعدد مقامات پر جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، یہ امام محمد سے مروی روایت کے خلاف ہے۔

امام الطحاوی نے امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کیا ہے، اور بدائع میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور ایک جماعت نے امام محمد کے قول کو اختیار کیا ہے، اور انہوں نے امام ابو یوسف کے قول کے مطابق یہ بھی فرمایا کہ اگر مذکورہ شرط وقید کے بغیر شہر میں دو مقامات پر جمعہ پڑھا گیا، تو امام ابو یوسف کے نزدیک، صحیح جمعہ پہلے والا ہوگا“۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] قال فی الحصر ولایجوز بموضعین عند الامام وعند یعقوب یجوز بموضعین منه فقط ثم شرط ان یکون فیها نهر کبیر فاصل.

وجوزها محمد فی مواضع منه وعلی هٰذا مشی فی الکنز وزاد الزیلعی کثیرة وهذه الزیادة باطلة اتی بها من عنده لاوجود لها فی الروایة بل کل من قال مواضع اوجوامع کما فی النظم اراد ثلثة وکل من قال موضعین اواکثر اراد ثلثة فقط.

(بیان الاول انه قال فی الذخیرة ولا بأس بصلوة الجمعة فی موضعین وثلثة عند محمد واجاز ابویوسف فی موضعین دون ثلثة اذا کان المصر له جانبان وقال فی المحیط ولابأس بصلاة الجمعة فی موضعین و ثلاثة فی مصر واحد عند محمد دفعا للحرج، والمشقة عن الناس اذا کان البلد کبیرة فانه یشق علی اهل کل جانب المسیر الی جانب آخر، وصار کصلاة العید یجوز فی موضعین وعند ابی یوسف لایجوز فی موضعین الا اذا کان مصر له جانبان، بینهما نهر، فیصیر فی حکم مصرین، کبغداد.

وبیان الثانی انه قال فی شرح الطحاوی وذکر الکرخی فی مختصره عند محمد یجوز اقامة الجمعة فی موضعین واکثر ولفظ الکرخی الذی عبر عنه فی شرح الطحاوی ولابأس لصلاة الجمعة فی الموضع والموضعین والثلثة عند محمد.

فظهر ان مراده باکثر ثلثة.

وقطع القدوری الاحتمالات فقال فی التقریب وقال محمد یجوز فی موضعین وثلثة استحسانا ولایجوز فیما زاد للاکتفاء بالصلاة فی طرفی المصر ووسطه وقال فی شرح الکرخی واما محمد فقال ان المصر اذا عظم وبعد اطرافه وشق علی اهله المسیر من طرف الی طرف آخر جوزها فی ثلثة مواضع للحاجة الی ذالک ومازاد علی ذالک لاحاجة الیه انتهی.

وبهذا تبین ان قوله فی مجمع البحرین واجازه مطلقا وقوله فی الدرر واطلق خلاف الروایة عن محمد.

ثم اختلف فی الصحیح فاختار الطحاوی قول ابی یوسف وصححه فی البدائع، واختار جماعة قول محمد، وقالوا علی قول ابی یوسف، الاول ان الجمعة الصحیحة هی السابقة، فعلی هذا قالوا یتعین

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، ایک سے زیادہ مقامات پر نمازِ جمعہ جائز نہیں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔

امام محمد تو شہر میں تین مقامات تک، جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں، اور امام ابو یوسف ایک خاص صورت میں ہی، دو مقامات پر جمعہ کی نماز کو درست قرار دیتے ہیں، اس کے بغیر صرف پہلے جمعہ کو ہی درست قرار دیتے ہیں، اور تین مقامات سے زیادہ پر جمعہ کا جواز، مذکورہ تینوں میں سے کسی سے صراحت کے ساتھ ثابت نہیں۔

اور حنفیہ کی متعدد تصریحات سے ثابت ہے کہ ابتداء میں شہروں کے اندر، ایک ہی جگہ قائم ہوتا تھا، اور شہر کی جامع مسجد کے علاوہ، دوسری تمام مساجد کو جمعہ کے وقت مقفل رکھا جاتا تھا۔

علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کا حوالہ

اگرچہ ہم علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کے جمعہ سے متعلق اذنِ عام کے تفصیلی موقف کو آگے آخر میں پیش کریں گے۔

لیکن چونکہ انہوں نے اذنِ عام کے مسئلہ کی بنیاد کو واضح کیا ہے، اس لیے اذنِ عام سے متعلق پہلے ان حضراتِ گرامی کے اجمالی موقف کو پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ شرنبلالی (المتوفیٰ: 1069ھ) نے ''مراقیُ الفلاح''میں جمعہ کے لئے اِذنِ عام کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''صحتِ جمعہ کی پانچویں شرط، اِذنِ عام ہے۔

پس اگر حکمران نے اپنے قلعہ، یا محل کے دروازہ کو بند کر کے اپنے ساتھیوں کو جمعہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ان يصلى بعد الجمعة اربعا ينوى آخر ظهر ادركت وقته ، ولم يصل بعد ، ويقرأ فى جميعها لاحتمال النفلية (رسائل ابنِ كمال باشا، الرسالة الخامسة والعشرون فى تعدد الجوامع وما هو الحق فيها، وهى من المسائل المهمة، مشمولة: جلد٢، ص ٢٣٠، طبع فى مطبعة اقدام ، بدارالخلافة العلية، سن١٣١٦ هجرية)

www.idaraghufran.org

پڑھا دیا، تو جائز نہ ہوگا۔

اور الھدایۃ‘ میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کا ’’ظاھر الروایۃ‘‘ میں ذکر نہیں پایا جاتا، یہ تو ’’النوادر‘‘ کی ایک روایت ہے۔

اور قاضی عبدالبرابن شحنہ نے قاہرہ کے قلعہ میں، جمعہ کے وقت دروازہ کے مقفل ہونے کی وجہ سے، جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن ممانعت کا قول، بظاہر قابلِ نظر ہے، کیونکہ حاکم کے اپنے قافلے کے ساتھ محل میں نمازِ جمعہ صحیح نہ ہونے کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ جمعہ کو اپنے ساتھ مختص کر لے، اور عام لوگوں کو جمعہ سے محروم کردے، لیکن قاہرہ کے قلعہ میں جمعہ پڑھنے کے قضیہ میں یہ علت مفقود ہے، کیونکہ قاہرہ کے اس قلعے کو اگرچہ جمعہ کے وقت مقفل کردیا جاتا ہے، لیکن حاکم نے جمعہ کو اپنے ساتھ مختص نہیں کیا ہوتا، کیونکہ قلعہ کے دروازے کے قریب کئی جامع ہیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر خطبہ اور جمعہ ہوتا ہے، اور ان کی وجہ سے قلعہ میں داخل ہونے سے منع کرنے کی وجہ سے جمعہ فوت نہیں ہوتا، لہٰذا ایسی صورت میں قلعہ کو بند کر کے صحتِ جمعہ کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی ‘‘۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] و "الخامس من شروط صحة الجمعة "الإذن العام "كذا فى الكنز لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فلزم إقامتها على سبيل الاشتهار والعموم حتى غلق الإمام باب قصره أو المحل الذى يصلى فيه بأصحابه لم يجز وإن أذن للناس بالدخول فيه صحت ولكن لم يقض حق المسجد الجامع فيكره.

ولم يذكر فى (الهداية) هذا الشرط لأنه غير مذكور فى ظاهر الرواية وإنما هو رواية (النوادر).

قلت اطلعت على رسالة العلامة بن الشحنة وقد قال فيها بعدم صحة الجمعة فى قلعة القاهرة لأنها تقفل وقت صلاة الجمعة وليست مصرا على حدتها .وأقول فى المنع نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة والعلة مفقودة فى هذه القضية فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة لأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر حاکم کی اجازت سے باقاعدہ شہر کے متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ قائم ہو، تو اس شہر میں اگر حاکم بھی اذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ پڑھے، تو اس کی نمازِ جمعہ جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں جمعہ کی حاکم کے ساتھ تخصیص باقی نہیں رہتی، جو لوگوں کے جمعہ فوت ہونے اور حاکم کے اذنِ عام کے بغیر جمعہ قائم کرنے میں تہمت کا سبب تھی، اور اس کی وجہ سے اذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ کو ناجائز قرار دیا گیا تھا۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''ردُّ المحتار'' میں فرمایا کہ:

''اذنِ عام سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو عام اجازت دے دی جائے، جن لوگوں کا جمعہ پڑھنا صحیح ہو، ان میں سے کسی کو اس مقام میں داخل ہونے سے منع نہ کیا جائے، جس مقام میں جمعہ کی نماز پڑھی جارہی ہے (خواہ وہ کوئی مسجد ہو، یا قلعہ، یا کوئی دوسری عمارت ومقام ہو)

لیکن اس شرط کا حنفیہ کی ''ظاهرُ الرواية'' میں ذکر نہیں، اسی وجہ سے ''الهداية'' میں بھی اس کا ذکر نہیں، البتہ یہ ''النوادر'' میں مذکور ہے ''کنز اور الوقاية اور النقاية اور الملتقٰی'' اور (دیگر حنفیہ کی) بہت سی معتبر کتابوں میں اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور نماز کے دوران قلعہ کے دروازے، دشمن کی وجہ سے بند کرنے کی صورت میں اذنِ عام اس لیے موجود ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز شروع کرنے سے پہلے، ہر نماز پڑھنے والے کے لیے دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، اور باعثِ ضرر، نمازیوں کو منع کرنا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عند باب القلعة عدة جوامع فی كل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة بل لو بقيت القلعة مفتوحة لا يرغب فی طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها .

وفی كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها(مراقی الفلاح شرح متن نور الإيضاح،ص ۱۹۴، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

ہے، نہ کہ دشمن کو منع کرنا۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کے وقت بھی دروازوں کو بند کرنا، درست نہیں، کیونکہ نماز کی حالت میں دروازوں کو بند کرنے سے بھی نمازِ جمعہ کے لیے داخل ہونے والوں کے لیے ممانعت متحقق ہوتی ہے، چنانچہ جو شخص کچھ دور دراز سے چل کر ایسے وقت پہنچا کہ جمعہ کھڑا ہو چکا تھا، تو اس وقت دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اس کا جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔

اور میں کہتا ہوں کہ نماز کے دوران، دروازے بند کرنے کی صورت میں مذکورہ اختلاف کا اس صورت میں ہی پایا جانا مناسب ہے، جبکہ شہر میں ایک ہی مقام پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، لیکن اگر شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، تو پھر (بغیر اذنِ عام اور بغیر اشتہار کے) جمعہ کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہاں دروازے بند کرنے وغیرہ سے، جمعہ کا فوت ہونا ثابت نہیں ہوگا، جیسا کہ اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے (یعنی فقہائے کرام نے اذنِ عام کی شرط کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی خلاف ورزی سے دوسرے لوگوں کا جمعہ فوت ہو جاتا ہے)''۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] (قوله الإذن العام) أي أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلي فيه .وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار، وكذا في البرجندي إسماعيل وإنما كان هذا شرطا لأن الله -تعالى- شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله (فاسعوا إلى ذكر الله) والنداء للاشتهار وكذا تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور تحقيقا لمعنى الاسم بدائع.

واعلم أن هذا الشرط لم يذكر في ظاهر الرواية ولذا لم يذكره في الهداية بل هو مذكور في النوادر ومشى عليه في الكنز والوقاية والنقاية والملتقى وكثير من المعتبرات.....

السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدتها العامة أو لا .وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز. لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذا لا يحصل إلا بالإذن العام .اهـ.

قلت :وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل(ردالمحتار، ج ٢: ص ١٥٢، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

علامہ شامی نے بھی تعددِ جمعہ کی صورت میں اذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، اس کی وجہ بھی وہی ہے، جو علامہ شرنبلالی کے حوالہ سے گزری کہ جمعہ کی حاکم کے ساتھ تخصیص نہیں رہتی، جو لوگوں کے جمعہ کے فوت ہونے اور حاکم کے اذنِ عام کے بغیر، جمعہ کا اپنے حق میں فیصلہ کرنے کی بناء پر تہمت کا سبب ہے۔

بہرحال علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر شہر میں متعدد مقامات پر باقاعدہ اعلان کے ساتھ جمعہ کی نمازیں ہوتی ہوں، تو اِذنِ عام ضروری نہیں رہتا، اور اگر سلطان نے مختلف مقامات پر جمعہ کو قائم کرنے کی باضابطہ اجازت دے رکھی ہو، اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں اُس شہر کے کسی حصہ میں سلطان کو بھی اِذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ پڑھنا جائز ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں شہر کے لوگوں کے صحتِ جمعہ کی شرط سلطان کے ساتھ خاص نہیں رہتی، اور اس صورت میں سلطان اِذنِ عام کے بغیر نماز پڑھ کر، کسی کی حق تلفی کرنے اور اپنے حق میں جمعہ کا فیصلہ کرکے تہمت کو اپنے سر لینے والا شمار نہیں ہوتا۔

حنفیہ نے لوگوں کی نمازِ جمعہ کی صحت کو سلطان یا اس کے نائب کے ساتھ وابستہ کردیا ہے، اس لیے وہ لوگوں کو اذنِ عام دیئے بغیر جمعہ نہیں پڑھ سکتا، جب تک دوسروں کو نہ پڑھائے، یا اپنے نائب سے نہ پڑھوائے، اس لیے سلطان پر دو ذمہ داریاں ہیں، ایک خود اپنے فریضۂ جمعہ کو اداء کرنا، اور دوسرے شہر کے لوگوں کو جمعہ پڑھانا، اسی لیے وہ جب تک جمعہ کی اپنے لیے تخصیص برقرار رکھ کر جمعہ اداء کرے گا، تو ایک شرط کے مفقود ہونے کی وجہ اس کی نمازِ جمعہ درست نہ ہوگی، جس طرح رعایا پر ایک تو خود جمعہ کا فریضہ اداء کرنا ضروری ہے، دوسرے سلطان، یا اس کے نائب کی اقتداء میں اداء کرنا ضروری ہے۔

حنفی فقہائے کرام نے جس طرح رعایا کو جمعہ اداء کرنے کے لیے سلطان کا محتاج قرار دیا، اسی طرح سلطان کو اپنا جمعہ اداء کرنے کے لیے رعایا کو اذنِ عام دینے کا محتاج قرار دیا، اور اس

www.idaraghufran.org

طرح جانبین کی رعایت کو ملحوظ رکھا۔

مذکورہ تفصیل کو ذہن میں رکھ کر اذنِ عام کی شرط کی تحقیق ضروری ہے۔

ہم اس سلسلہ میں علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کے موقف کو راجح سمجھتے ہیں، اور اس کو علامہ شامی وغیرہ کا ذاتی موقف اور دوسرے حنفیہ کے خلاف سمجھنا، ہمارے نزدیک راجح نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

’’تبیینُ الحقائق و حاشیةُ الشلبی‘‘ کا حوالہ

علامہ زیلعی نے ’’تبیینُ الحقائق‘‘ میں جمعہ کے ’’مواضعِ کثیرة‘‘ میں جائز ہونے کو، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول قرار دیا ہے، اور اس کو اصح فرمایا ہے، جو کہ غالباً شمس الائمہ سرخسی کی اتباع میں ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اور پھر امام زیلعی نے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کو نقل کیا ہے کہ جمعہ، ایک ہی مقام پر جائز ہے، مگر یہ کہ دونوں جمعے قائم ہونے والے مقامات کے درمیان، بڑی نہر حائل ہو، تو نہر کے آر پار مقامات پر جمعہ جائز ہوگا، بشرطیکہ دونوں کو ملانے کے لیے پُل نہ ہو، اور اگر پُل ہو، جیسا کہ بغداد میں، تو جمعہ کے دن اس کو کاٹا جائے گا، تاکہ وہ دو شہروں کے حکم میں داخل ہو جائے‘‘۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] قال -رحمه الله -(وتؤدى فى مصر فى مواضع) أى تؤدى الجمعة فى مصر واحد فى مواضع كثيرة، وهو قول أبى حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن فى الاجتماع فى موضع واحد فى مدينة كبيرة حرجا بينا، وهو مدفوع وروى عن أبى حنيفة أنه لا يجوز إلا فى موضع واحد إلا أن يكون بينهما نهر عظيم كدجلة وعنه أنها لا تجوز إذا كان عليه جسر وروى عنه أنه كان يأمر برفع الجسر فإن أديت فى موضعين أو أكثر فالجمعة للأولين تحريمة وقيل :فراغا وقيل فيهما جميعا، وقيل تجوز فى موضعين ولا تجوز فى أكثر، وهو رواية عن أبى يوسف ومحمد وروى عن أبى يوسف أنها لا تجوز إلا فى موضع واحد إلا أن يكون بينهما نهر عظيم كدجلة وعنه أنها لا تجوز إذا كان عليه جسر وروى عنه أنه كان يأمر برفع الجسر فى بغداد وقت الصلاة لتكون كمصرين(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج ١ ،ص٢١٨،٢١٩، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

لیکن اس سلسلے میں عرض ہے کہ ایک تو درمیان میں نہر حائل ہونے کا مذکورہ قول امام ابو حنیفہ کے بجائے، امام ابو یوسف کا ہے۔

دوسرے ''حاشیۃُ الشلبی علیٰ تبیین الحقائق ''میں شیخ علامہ زین الدین قاسم کی ''شرحُ النقایۃ'' کے حوالے سے، علامہ زیلعی کے ''مواضعِ کثیرۃ ''میں جوازِ جمعہ کی تردید کی گئی ہے، اور فرمایا کہ ''کثیرۃ'' کی زیادتی، باطل ہے، جس کا کسی جگہ کوئی وجود نہیں، پھر ابنِ کمال باشا کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق، امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ [1]

---

[1] (قوله فی مواضع كثيرة إلخ) قال شيخ شيخنا العلامة زين الدين قاسم -رحمهما الله تعالى- فی شرح النقاية ما نصه قال فی المصر :ولا تجوز بموضعين عند الإمام وعند يعقوب تجوز بموضعين منه فقط، ثم شرط أن يكون بينهما نهر كبير فاصل وجوزها محمد فی مواضع منه وعلى هذا مشى فی الكنز وزاد فی الزيلعی كثيرة وهذه الزيادة باطلة أتی بها من عنده لا وجود لها فی الرواية بل كل من قال فی مواضع أراد ثلاثة وكل من قال موضعين وأكثر أراد ثلاثة فقط بيان الأول أنه قال فی الذخيرة ولا بأس بصلاة الجمعة فی موضعين وثلاثة عند محمد وأجاز أبو يوسف فی موضعين دون ثلاثة إذا كان المصر له جانبان، وقال فی المحيط ولا بأس بصلاة الجمعة فی موضعين وثلاثة فی مصر واحد عند محمد دفعا للحرج والمشقة عن الناس إذا كانت البلدة كبيرة فإنه يشق على كل جانب المسير إلى جانب آخر وصار كصلاة العيد تجوز فی موضعين وأكثر وعند أبی يوسف لا تجوز فی موضعين إلا إذا كان مصرا له جانبان بينهما نهر فيصير فی حكم مصرين كبغداد وبيان الثانی أنه قال فی شرح الطحاوی وذكر الكرخی فی مختصره عند محمد تجوز إقامة الجمعة فی مصر جامع فی موضعين وأكثر ولفظ الكرخی الذی عبر عنه فی شرح الطحاوی ولا بأس بصلاة الجمعة فی الموضع والموضعين والثلاثة عند محمد فظهر أن مراده بأكثر ثلاثة، وقطع القدوری الاحتمالات فقال فی التقريب.

وقال محمد تجوز فی موضعين وثلاثة استحسانا ولا تجوز فيما زاد للاكتفاء بالصلاة فی طرفی المصر ووسطه وقال فی شرح الكرخی وأما محمد فقال إن المصر إذا عظم وبعد أطرافه شق على أهله المسير من طرف إلى طرف آخر فجوزها فی ثلاثة مواضع للحاجة إلى ذلك وما زاد على ذلك لا حاجة إليه اهـ .وبهذا تبين أن قوله فی مجمع البحرين وأجازه مطلقا وقوله فی الدرر وأطلق خلاف الرواية عن محمد، ثم اختلف فی الصحيح فاختار الطحطاوی قول أبی يوسف وصحح فی البدائع واختار جماعة قول محمد اهـ

(قوله لا تجوز فی أكثر إلخ) قال فی شرح الطحاوی وهكذا روى عن محمد وبه نأخذ، ولو حصلت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس سے معلوم ہوا کہ متعدد محققینِ حنفیہ نے تین سے زیادہ مقامات پر جمعہ کے جواز کو امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے ثابت ہونے کی نفی کی ہے۔

اور علامہ زیلعی نے ''اذنِ عام'' کی شرط کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''جمعہ ادا ہونے کی شرط یہ ہے کہ امام (یعنی سلطان) لوگوں کو اجازتِ عام دے دے، یہاں تک کہ اگر اس نے اپنے محل کے دروازے بند کر کے، اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھا دیا، تو جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جمعہ، اسلام کے شعائر اور دین کے خصائص میں سے ہے، لہٰذا اس کو اشتہار کے طریقے پر قائم کرنا واجب ہے''۔انتھٰی۔ [1]

اس عبارت میں ''اذنِ عام کی شرط'' کی نسبت، امام وحکمران کی طرف کی گئی ہے۔

جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عند الحنفیۃ ''اذنِ عام کی شرط'' امام وحکمران کے حق میں مؤثر ہے۔

اور اس کی وجہ وہی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ قائم کرنے کا حق حکمران کو ہی حاصل ہے، اور لوگوں کے صحتِ جمعہ کے لیے امام وحکمران شرط ہے، تو اس کی طرف سے ہی اذنِ عام بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی المسجدین معا کانت صلاتهم جمیعا فاسدة وعلیهم أن یعیدوا الجمعة معا إن کانت فی وقت الظهر، وإن کان بعد خروجه صلوا الظهر أربعا هکذا ذکر الطحاوی هنا وذکر الکرخی فی مختصره أن عند محمد تجوز إقامة الجمعة فی مصر واحد فی موضعین وأکثر وأما صلاة العید فی موضعین وأکثر منهما فجائز إجماعا .اهـ .وفیه ولو نزل بأهل مصر نازلة وخرجوا من المصر یوم الجمعة وصلی بهم الإمام الجمعة إن کانوا فی فناء المصر صح، وإن کانوا بعیدا لا وکذا صلاة العیدین .اهـ.(حاشیة الشلبی علیٰ تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۲۱۸، ۲۱۹، کتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

[1] قال -رحمه الله -(والإذن العام) أی من شرط أدائها أن یأذن الإمام للناس إذنا عاما حتی لو غلق باب قصره وصلی بأصحابه لم یجز؛ لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدین فتجب إقامتها علی سبیل الاشتهار، وإن فتح باب قصره وأذن للناس بالدخول فیه یجوز ویکره؛ لأنه لم یقض حق المسجد الجامع(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج ۱، ص ۲۲۱، کتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

شرط ہوگا، کیونکہ اس کے بغیر لوگوں کو اپنے فریضۂ جمعہ کو اداء کرنے کی کوئی دوسری جگہ موجود ہی نہ ہوگی، اور اسی وجہ سے امام وحکمران کے نمازِ جمعہ قائم کر لینے کے بعد اگر کچھ لوگ جمعہ سے رہ جائیں، تو ان کو اس زمانے میں خود سے نمازِ جمعہ قائم کرنا جائز نہ تھا۔

اور ''حاشیۃُ الشلبی'' میں ''اذنِ عام'' کو ''نوادر'' کی روایت قرار دے کر ''بدائعُ الصنائع'' کے حوالے سے، اس کے شرط ہونے کی دلیل میں سورہ جمعہ کی آیت کو ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

جمعہ کے شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہونے، اور سورہ جمعہ کی آیت سے اذنِ عام کی شرط کے ثبوت پر کلام آگے آتا ہے۔

''الإختيار لتعليل المختار'' کا حوالہ

''الإختيار لتعليل المختار'' میں ہے کہ:

''جمعہ کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک، امام کے علاوہ تین افراد کا ہونا ضروری ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے یہ مروی ہے کہ امام کے علاوہ دو بھی کافی ہیں، کیونکہ جمعہ، اجتماع سے مشتق ہے، اور وہ امام کے علاوہ دو افراد سے وجود میں آجاتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کا فرمانا یہ ہے کہ صحیح، جمع تین کو کہا جاتا ہے، اور اس سے کم میں اختلاف ہے، اور جمعہ کے لیے جماعت، بالاجماع شرط ہے، لہٰذا یہ اختلافی جمع سے ادا نہیں ہوگا۔

اور امام محمد نے فرمایا کہ ایک شہر میں دو اور تین مقامات پر جمعہ کی نماز پڑھنے میں

---

[1] (قوله والإذن العام) وهى رواية النوادر وإنما كان هذا شرطا؛ لأن الله تعالى شرط النداء لصلاة الجمعة بقوله تعالى (يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله) والنداء للإشهار، وكذا تسمى جمعة لاجتماع الناس فيها فاقتضى أن يكون الجماعات كلها مأذونين تحقيقا لمعنى الاسم .اهـ .بدائع(حاشية الشلبى، ج ١، ص ٢٢١، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

حرج نہیں، لیکن تین سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز جائز نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ شہر میں صرف ایک ہی جگہ، جمعہ جائز ہے، کیونکہ یہی متوارث ومنقول ہے، اور اگر دو جگہ جائز قرار دیا جائے گا، تو پھر تمام مساجد میں دوسری نمازوں کی طرح جائز قرار دیا جائے گا، اور یہ جائز نہیں۔

اور امام ابویوسف کا قول بھی امام ابوحنیفہ کے مطابق ہے، لیکن اگر ایسا مقام ہو کہ اس میں درمیان کے اندر نہر ہو، جیسا کہ بغداد، تو پھر نہروں کے آر پار دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، کیونکہ وہ ایسی صورت میں دو شہروں کی طرح ہوجاتا ہے۔

اور امام ابویوسف جمعہ کے دن پل کو کاٹنے کا حکم دیتے تھے، تاکہ شہر کی دونوں طرف کا حصہ، ایک دوسرے سے جدا ہوکر دو شہروں کے حکم میں داخل ہوجائے۔

پس اگر شہر کے دو حصوں کے درمیان نہر نہ ہو، تو ایسی صورت میں پہلے پڑھنے والوں کا جمعہ درست ہوجائے گا، کیونکہ ان کے ساتھ کوئی مزاحم نہیں پایا جاتا، اور وہ اپنے وقت میں شرائط کے ساتھ واقع ہوا ہے، لیکن دوسرے لوگوں کا جمعہ فاسد ہوجائے گا، اور وہ ظہر کی قضاء کریں گے۔

اور اگر دونوں مسجد والے ایک وقت میں جمعہ کی نماز پڑھ لیں، یا پہلے پڑھنے والوں کا پتہ نہ چلے، تو سب کی نماز فاسد ہوجائے گی، اور شک پیدا ہوجانے کی وجہ سے وہ ذمہ داری سے بری نہیں ہوں گے‘‘۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] قال :(ولا بد من الجماعة) لأنها مشتقة منها، ولا خلاف فی ذلک .واختلفوا فی کمیتها. قال أبو حنیفة :لا بد من ثلاثة سوی الإمام، وأن یکون الإمام والثلاثة ممن یجوز الاقتداء بهم فی غیر الجمعة .وقال أبو یوسف ومحمد :اثنان سوی الإمام، والأصح أن محمدا مع أبی حنیفة .لأبی یوسف أن الاثنین جماعة لأنه مشتق من الاجتماع وقد وجد .ولهما أن الجمع الصحیح ثلاثة وما دونها مختلف فیه، والجماعة شرط بالإجماع فلا یتأدی بالمختلف .

قال محمد :لا بأس بصلاة الجمعة فی المصر فی موضعین وثلاثة ولا یجوز أکثر من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت سے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے متعدد مقامات پر جمعہ سے متعلق اقوال معلوم ہوئے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں یا تو صراحتاً کچھ مروی نہیں، یا صرف ایک ہی مقام پر جمعہ کا جواز مروی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق زمانوں میں شہر کے اندر ایک ہی جمعہ کا تعامل رہا ہے، تعددِ جمعہ کے قول پر عام طور سے عمل نہیں رہا، اسی لیے شہر کی ایک جامع مسجد کے علاوہ تمام مساجد کو بند کرنے کا معمول رہا۔

چنانچہ ''الإختيار لتعليل المختار '' میں ہی ہے کہ:

''اور آج تک تمام زمانوں اور شہروں میں جمعہ کے وقت عام مساجد کو بند کرنے کا تعامل جاری رہا ہے''۔انتہٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک؛ لأن المصر إذا بعدت أطرافه شق على أهله المشى من طرف إلى طرف فيجوز دفعا للحرج، وأنه يندفع بالثلاث فلا حرج بعدها، ولهذا كان على -رضى الله عنه- يصلى العيد فى الجبانة، أى المصلى، ويستخلف من يصلى بضعفة الناس بالمدينة، والجبانة من المدينة، والخلاف فى الجمعة والعيد واحد.

وقال أبو حنيفة :لا تجوز إلا فى موضع واحد لأنه المتوارث، ولأنه لو جاز فى موضعين لجاز فى جميع المساجد كغيرها من الصلوات وأنه ممتنع .

وقال أبو يوسف كذلك إلا أن يكون بين الموضعين نهر فاصل كبغداد لأنه يصير كمصرين .

وكان أبو يوسف يأمر بقطع الجسر يوم الجمعة لتنقطع الوصلة بين الجانبين.

فإن لم يكن بينهما نهر فالجمعة لمن سبق لعدم المزاحم، وقد وقعت فى وقتها بشرائطها، وتفسد جمعة الآخرين ويقضون الظهر.

فإن صلى أهل المسجدين معا، أو لا يدرى من سبق فصلاة الكل فاسدة لعدم الأولوية فلا يخرج عن العهدة بالشك(الاختيار لتعليل المختار، ج ١ ،ص ٨٣، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

[1] وقد جرى التوارث فى جميع الأمصار والأعصار بغلق المساجد وقت الجمعة (الاختيار لتعليل المختار، ج ١ ص ٨٤ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

”فتاویٰ قاضیخان“ کا حوالہ

”فتاویٰ قاضیخان“ میں ہے کہ:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ایک شہر میں دوجگہ جمعہ جائز ہے، اور تین مقامات پر جمعہ جائز نہیں، اور اسی طریقے سے امام محمد سے بھی مروی ہے۔

اور امام ابو یوسف سے امالی میں مروی ہے کہ ایک شہر کی دو مسجدوں میں جائز نہیں، مگر جبکہ ان کے درمیان بڑی نہر ہو، تو ہی دوجگہ جمعہ جائز ہے، ورنہ جائز نہیں، ایسی صورت میں پہلے لوگوں کا جمعہ صحیح ہوگا، اور اگر وہ دونوں ایک ساتھ پڑھیں، تو دونوں کا فاسد ہوگا“۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے بھی امام ابوحنیفہ اور آپ کے دو مشہور تلامذہ کا قول تعددِ جمعہ کے بارے میں معلوم ہوا۔

”خلاصةُ الفتاویٰ“ کا حوالہ

”خلاصةُ الفتاویٰ“ میں ایک شہر کے اندر امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک دومقامات پر جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور تین مقامات پر جمعہ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، اور امام محمد کے نزدیک تین مقامات پر، جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور امام ابو یوسف سے اصحابِ

---

[1] وتجوز الجمعة فی موضعین فی مصر واحد فی قول أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما الله تعالی ولا تجوز فی ثلاث مواضع وهكذا روی عن روی عن محمد رحمه الله تعالی وروی أصحاب الأمالی عن أبی یوسف رحمه الله تعالی أنه لا یجوز فی المسجدین من مصر واحد إلا أن یكون بینهما نهر كبیر فكان حكمه حكم مصرین فإن لم یكن بینهما نهر فالجمعة لمن سبق منهما فإن صلوا معاً فسدت صلاتهم جمیعاً وعن محمد رحمه الله تعالی جواز الجمعة فی ثلاث مواضع (فتاوی قاضی خان، ج ۱، ص ۱۳۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

املاء کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اگر شہر کے درمیان بڑی نہر ہو، تو ہی دو جگہ یعنی نہر کے آر پار مقامات پر جمعہ جائز ہے، ورنہ جائز نہیں، ایسی صورت میں پہلے لوگوں کا جمعہ صحیح ہوگا، اور اگر ایک ساتھ پڑھیں، تو دونوں کا فاسد ہوگا۔ [1]

’’الفتاویٰ التتارخانیۃ‘‘ کا حوالہ

’’الفتاویٰ التتارخانیۃ للاندریتی ‘‘(المتوفیٰ 786ہجری) میں ہے کہ:

’’امام محمد کے نزدیک، ایک شہر میں دو یا تین جگہ جمعہ قائم کرنے میں حرج نہیں، اور ’’الولوالجیۃ ‘‘میں ہے کہ ایک شہر میں دو مقامات پر جمعہ قائم کرنا، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جائز ہے، اور ’’العتابیۃ ‘‘میں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں مروی ہیں، زیادہ راجح اور اظہر یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک شہر میں دو مقامات پر نمازِ جمعہ جائز نہیں۔

اور امام ابو یوسف نے دو مقامات پر جائز قرار دیا ہے، ’’جامعُ الجوامع ‘‘میں ہے کہ جب کہ شہر بڑا ہو، مگر تین مقامات پر جائز نہیں، اور ’’الخانیۃ‘‘ میں ہے کہ امام محمد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

اور ’’الامالی ‘‘ کی روایت میں امام ابو یوسف سے دو مقامات پر اسی صورت میں جواز مروی ہے، جب کہ شہر کی دو جوانب ہوں، اور ان کے درمیان بڑی نہر ہو، جس کی وجہ سے وہ دو شہروں کے حکم میں ہو جائے، جیسا کہ بغداد، اور ’’العتابیۃ‘‘

---

[1] نوع منه اقامة الجمعة فی المصر فی موضعین، یجوز عند ابی حنیفة وابی یوسف، ولایجوز فی ثلاثة مواضع، وعن محمد انها یجوز فی ثلاثة مواضع، وفی واقعات قاضی خان لم یذکر قول ابی حنیفة، وانما ذکر الاختلاف بین ابی یوسف ومحمد، وفیه روی اصحاب الاملاء عن ابی یوسف ، انه لایجوز فی مسجدین فی مصر واحد ، الا ان یکون بینهما نهر کبیر، حتی کان حکمه حکم مصرین، فان لم یکن بینهما نهر، فالجمعة لمن سبق منهما ، فان صلو معا فسدت صلاتهم جمیعا(خلاصةُ الفتاویٰ، ج ۱ ص ۲۱۱، ۲۱۲، کتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون فی صلاة الجمعة، مطبوعة: امکتبۂ رشیدیة، کوئته ، الباکستان)

www.idaraghufran.org

میں ہے کہ امام ابو یوسف نے یہ بھی فرمایا کہ جب نہر پر پل ہو، تو پھر دو مقامات پر جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ باہم جڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے ایک ہی شہر کا حکم رکھتے ہیں'' ۔انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کا ناجائز ہونا راجح ہے، اور امام ابو یوسف تو ''أمالی'' کی روایت کے مطابق، جب تک شہر کے درمیان بڑی نہر نہ ہو، اس وقت تعددِ جمعہ کو ناجائز کہتے ہیں، جیسا کہ متعدد حضرات نے تصریح کی ہے۔

البتہ امام محمد کے نزدیک ایک شہر میں دو مقامات پر نمازِ جمعہ جائز ہے۔

اور متعدد فقہائے کرام کے حوالہ جات اور تاریخی اوراق سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور بعد کے ادوار میں ایک زمانے تک شہروں میں ایک ہی مقام پر نمازِ جمعہ اداء ہوتا رہا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر کسی شہر میں پہلے سے ایک مقام پر جمعہ ہوتا ہو، تو عندالحنفیۃ تعددِ جمعہ پر عمل کرنے کے لیے سلطان کی طرف سے تعددِ جمعہ کا اعلان ضروری ہوگا، تاکہ لوگ یہ بات جان لیں کہ اب ہمارے صحتِ جمعہ کی شرط فلاں جگہ بھی پوری ہوسکتی ہے، اور سلطان یہ فیصلہ اپنے حق میں کرنے کی وجہ سے تہمت کا مرتکب شمار نہ ہو۔

---

[1] ولا بأس بالجمعة فی موضعين او ثلاثة فی مصر واحد عند محمد، وفی الكافی خلافا للشافعی رحمه الله، وفی الولوالجية: و اقامة الجمعة فی موضعين فی مصر واحد الصحيح عند ابی حنيفة، و محمد يجوز، العتابية: عن ابی حنيفة روايتان، والاظهر انه لا يجوز فی موضعين م: و اجاز ابو يوسف فی موضعين ، جامع الجوامع: اذا كان البلد عظيما دون الثلاث، و فی الخانية: وهكذا روی عن محمد رحمه الله،م :و فی رواية الأمالی أجاز ابو يوسف فی الموضعين اذا كان مصرا لهٗ جانبان بينهما نهر عظيم حتى يصير فی حكم مصرين كبغداد، العتابية:و عن ابی يوسف لا يجوز اذا كان عليه جسر (الفتاویٰ التاتارخانية ، ج٢ ص٥٠، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة ، النوع الثانی فی بيان شرائط الجمعة، مطبوعة : ادارة القرآن ، كراتشی، الباكستان، تاريخ الطبع:1990ء)

www.idaraghufran.org

اس کے بغیر سلطان، یا امیر کا چھپ کر اپنے لیے تعددِ جمعہ کی راہ نکالنا درست نہیں، کیونکہ وہ تعددِ جمعہ کا باضابطہ اعلان کیے بغیر بھی، یعنی جب تک اس کو قضائی درجہ نہ دے، دراصل دوسروں کے لیے جمعہ پڑھانے والا ہوتا ہے، لہٰذا جب تک اس کے پاس دوسروں کا حقِ جمعہ وابستہ ہے، اس کو دوسروں کی حق تلفی کر کے اپنا جمعہ قائم کرنا، ایک طرح سے اپنے حق میں فیصلہ کرنے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔

چنانچہ ''الفتاویٰ التتارخانیة'' میں ہی ہے کہ:

> اِذنِ عام یہ ہے کہ جامع کے دروازے کھول دیے جائیں (جبکہ جامع میں جمعہ اداء کیا جارہا ہو، جیسا کہ اس زمانے میں رواج تھا) اور تمام لوگوں کو اجازت دیدی جائے، یہاں تک کہ اگر لوگوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اور مسجد کے دروازے بند کر کے جمعہ پڑھ لیا، اور محافظین کو اندر جانے سے روکنے کے لیے بٹھا دیا، تو ان کا جمعہ جائز نہ ہوگا (کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی نمازِ جمعہ رہ جائے گی) اور اسی طرح اگر امیر نے اپنے گھر میں لوگوں کو جمع کر کے جمعہ پڑھ لیا، تو اگر اس نے دروازہ کھول دیا، اور اجازتِ عام دیدی، تو جمعہ جائز ہوگا، ورنہ نہیں''۔انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے ''اذنِ عام'' کی قید کا حکمران کے ساتھ تعلق معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عند الحنفیۃ اس زمانے میں صحتِ جمعہ کے لیے سلطان شرط لازمی تھا، اور سلطان کے ساتھ ہی جمعہ

---

[1] الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن بالناس كافة، حتى أن جماعة لو اجتمعوا فى الجامع، وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم، وجمعوا لم يجزهم، وكذلك السلطان إذا أراد أن يجمع بحشم فى داره، فإن فتح باب الدار فأذن إذنا عاما، جازت صلاته ، شهدها العامة أو لم يشهدوها، وإن لم يفتح باب الدار وأغلق الأبواب ، وأجلس البوابين عليها، ليمنعوا عن الدخول لم يجزهم الجمعة . جامع الجوامع: فتح الأمير أبواب قصره، وأذن وخطب وجمع بالناس جاز ويكره (الفتاوىٰ التاتارخانية ، ج۲ ص ۷۰، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة ، النوع الثانى فى بيان شرائط الجمعة، مطبوعة : ادارة القرآن ، كراتشى، الباكستان، تاريخ الطبع:1990ء)

www.idaraghufran.org

کا قیام مختص تھا، اور جمعہ کا قیام بھی شہر میں عموماً ایک مقام پر ہوتا تھا، ایسی صورت میں جامع کے دروازے کھولنے کا حکم بھی سلطان کے لیے ہوگا، جو کہ جمعہ قائم کرتا ہے، اسی وجہ سے اگر وہ اپنے محل کے دروازے بند کر کے جمعہ پڑھے، تو اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

اور سلطان کے جمعہ کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے فریضۂ جمعہ کی صحت، سلطان کے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے پر موقوف ہے، اور جب سلطان اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے سے لوگوں کو منع کر دے گا، یا اپنے ساتھ شریک نہیں کرے گا، تو ایسی صورت میں لوگوں کو خود سے جمعہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس کے لیے حکمران شرط ہے، اور اس طرح لوگوں کے جمعہ کا فریضہ، ذمہ میں باقی رہ جائے گا۔

اذنِ عام کے حکمران کے ساتھ مختص ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نوادر کی جس روایت سے اذنِ عام کی شرط کو اخذ کیا گیا ہے، اس میں بھی حکمران کا ہی ذکر ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

''الفتاویٰ التتارخانیة'' میں ہی ہے کہ:

> حاکم شہید نے ''المنتقٰی'' میں ذکر کیا ہے کہ اگر امیر نے اتفاق سے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم کیا، اور خود اپنی ضرورت سے چلا گیا، پھر وہ امیر شہر میں واپس آیا، اور کسی مسجد میں داخل ہو کر، جمعہ پڑھ لیا، تو اس کا جمعہ جائز نہیں ہوگا۔
>
> مگر اسی صورت میں جائز ہوگا کہ جب لوگ اس کے جمعہ پڑھنے کو جان لیں، ایسی صورت میں یہ دو مقامات پر جمعہ پڑھنے کی طرح ہو جائے گا، جو کہ جائز ہے۔
>
> اور اگر امام جمعہ کے دن استسقاء کے لیے نکلا، جس کے ساتھ بہت سے لوگ نکلے، اور اس نے اپنے پیچھے ایک شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کے لیے چھوڑ دیا، پھر جب جمعہ کا وقت آیا، تو اس امیر نے لوگوں کو عیدگاہ میں جمعہ کی نماز پڑھا دی،

اور وہ عیدگاہ شہر سے ایک غلوہ کے فاصلے پر تھی، اور اس امیر کے نائب نے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھادی، تو دونوں کی نماز درست ہوجائے گی، اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عیدگاہ میں نمازِ جمعہ جائز ہے"۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں جو حاکم کی "المنتقٰی" کی عبارت نقل کی گئی ہے، وہ "نوادرُ الروایة" ہے۔

"المنتقٰی فی فروع الحنفیة" کے نام سے دراصل حاکم شہید کی کتاب ہے، جس کو "المنتقٰی فی الفروع" اور "المنتقٰی" کے نام سے بھی شہرت حاصل ہے۔

فقہ حنفی میں امام محمد کی کتابوں کے بعد "المنتقٰی" کو اہم ترین بنیادی ماخذ قرار دیا جاتا ہے، اس میں "الکافی" کے مقابلے میں خاص طور پر نوادر کے اقوال کو نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ "المنتقٰی" میں مذکور نوادر کے اس جزئیہ سے جس میں امیر کے لوگوں کے علم میں لاکر جمعہ کو صحیح قرار دیا گیا ہے، اس سے جمعہ کے اذنِ عام کے شرط ہونے کو اخذ کیا گیا ہے، اور یہ دراصل امام محمد کا قول ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، جن کے نزدیک سلطان، یا اس کا نائب "امیر" اہلِ شہر کے جمعہ صحیح ہونے کی شرط ہے۔

اور پہلے باحوالہ یہ معلوم ہوچکا کہ تعددِ جمعہ میں امام محمد اور امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کی ایک روایت اور امام ابو یوسف کے قول کا تقاضا تو یہ تھا کہ مذکورہ عبارت میں

---

[1] ذکر الحاکم الشهيد فی المنتقیٰ مرسلا(كذا) أمير أمر إنسانا بأن يصلی بالناس الجمعة فی المسجد الجامع، وانطلق إلى حاجة له ثم دخل المصر، ودخل بعض المساجد، وصلی الجمعة، لايجزيه، إلا أن يكون الناس علم بذلک ، فهذا كالجمعة فی موضعين ، وإنه جائز، وإذا خرج الإمام يوم الجمعة للاستسقاء ، وخرج معه ناس كثير وخلّف إنسانا يصلی بهم فی المسجد الجامع (فلما حضرت الصلاة على بهم الجمعة فی الجبانة وهو على غلوة من المصر، وصلی خليفته فی المسجد الجامع) يجزيه، ودلت المسئلة على أن الجمعة فی الجبابة جائزة (الفتاویٰ التاتارخانية ، ج۲ص ۸۱،۸۲، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة ، نوع آخر من هذا الفصل فی المتفرقات، مطبوعة : ادارة القرآن ، كراتشی، الباكستان، تاريخ الطبع:1990ء)

مذکورہ دونوں صورتوں میں دوسرا جمعہ صحیح نہ ہو، کیونکہ ان کے نزدیک اس طرح کی صورتِ حال میں پہلا جمعہ صحیح ہوتا ہے، لیکن دوسرے جمعہ کو جو درست قرار دیا گیا، وہ بظاہر امام محمد کے قول کے مطابق ہے، اور اس صورت پر مبنی ہے، جبکہ شہر میں پہلے سے صرف ایک جگہ جمعہ ہوتا ہو، پھر ان میں سے دوسری صورت میں یعنی عیدگاہ کے اندر جمعہ کو اس لیے جائز قرار دیا گیا کہ امام کے ساتھ بہت سے لوگ موجود ہیں، جو اِس کے جمعہ قائم کرنے کو جانتے، بلکہ اس کے ساتھ شریک ہیں، اور اذنِ عام موجود ہے، نیز عیدگاہ، نمازِ عید کے بڑے مجمع کے لیے معروف مقام ہے، اور حنفیہ کے نزدیک نمازِ عید کو، شرائط کے اعتبار سے نمازِ جمعہ کے ساتھ مشابہت حاصل ہے، اس لیے علاقہ کے بڑے مجمع کے ساتھ عیدگاہ میں نمازِ جمعہ میں امام کا جمعہ کو اپنے ساتھ خاص کرنا، یا اپنے حق میں تعددِ جمعہ کا فیصلہ کرنا نہیں پایا جاتا، برخلاف دوسری صورت کے کہ اس میں امام خود اتفاقاً اپنی حاجت سے شہر سے باہر گیا تھا، اور واپس آ کر وہ خود جمعہ قائم کر رہا ہے، اس صورت میں لوگوں کے جمعہ کی نماز کو جان لینے کی قید لگائی گئی ہے، اور اس صورت میں اس کو شہر میں دو جگہ جمعہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اسی جزئیہ سے اذنِ عام کی شرط کو لیا گیا ہے۔

اس صورت میں لوگوں کے جان لینے کی جو شرط لگائی گئی، اور اس کے نتیجہ میں یہ فرمایا گیا کہ اس صورت میں یہ شہر میں دو مقامات پر جمعہ پڑھنے کی طرح ہو جائے گا۔

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جزئیہ، دراصل اس صورت سے متعلق ہے، جب شہر میں پہلے ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو، اور حکمران نے عارضی طور پر دوسرے کو نائب بنا کر اہلِ شہر کو جمعہ پڑھانے کے لیے مقرر کیا ہو، ایسی صورت میں بھی جمعہ کے قیام کا اصل حق حکمران کا ہی ہے، اس صورت میں لوگوں کے جان لینے کی قید اس لیے ضروری ہوگی، تاکہ ایک تو تعددِ جمعہ کو قضائی حکم حاصل ہو کر، سب کے لیے رافعِ اختلاف بن جائے، دوسرے جمعہ کی حکمران کے ساتھ تخصیص نہ رہے، جو لوگوں کے جمعہ فوت ہونے کا سبب، یا اس کی طرف مفضی ہے، اور

حاکم، امیر یا سلطان کا لوگوں کے علم میں لائے بغیر اس طرح جمعہ قائم کرنا، درحقیقت اپنے لیے فیصلہ کرنا ہے، جو موضعِ تہمت کی وجہ سے ناجائز ہے، کیونکہ وہ اپنے حق میں فیصلے کے اعتبار سے رعیت کے درجہ میں ہوتا ہے، اور جب وہ لوگوں کے علم میں لاکر دوسری جگہ جمعہ قائم کرے گا، تو وہ یہ فیصلہ اپنے بجائے رعایا کے حق میں کرنے والا شمار ہوگا۔ [1]

---

[1] لا يجوز للقاضى أن يحكم فيما لا يقبل فيه شهادته فلا يقضى لنفسه، ولا يقضى لأحد من أصوله وفروعه، وإن نزلوا أو علوا، ولا لشريكه فيما له فيه شركة، ولوكيله فيما هو موكل فيه، فإن فعل لم ينفذ حكمه، وإلى هذا ذهب جمهور الفقهاء . وذلك لموضع التهمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٤، ص ٩٤، مادة"تهمة")

لا يجوز للقاضى أن يحكم لنفسه ولو رضى خصمه بذلك، فإن حكم على نفسه فيكون كالإقرار منه بما ادعى خصمه عليه، ولا يحكم لشريكه فى المشترك .

ويجوز أن يحكم للإمام الذى قلده، أو يحكم عليه، فقد قلد على بن أبى طالب رضى الله عنه شريحا وخاصم عنده؛ لأن القاضى نائب عن جماعة المسلمين وليس نائبا عن الإمام.

ولا يجوز قضاؤه لمن لا تقبل شهادته له؛ لأن مبنى القضاء على الشهادة، ولا يصح شاهدا لمن لا تقبل شهادته له، فلا يصح قاضيا له لمكان التهمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٣، ص ٣٢٦، مادة"قضاء")

وكذلك الحاكم لا يجوز أن يحكم لنفسه، ويجوز أن يحكم له غيره(البناية شرح الهداية، ج ٩، ص ٢٢٦، كتاب الوكالة)

(سئل) هل يصح حكم الحاكم لأبيه وابنه أم لا؟

(الجواب) : هذه المسألة أجمع علماء الأئمة الأربعة على عدم جوازها قال الإمام الجليل أبو الحسن أحمد بن محمد القدورى من أئمة الإمام الأعظم أبى حنيفة -رحمه الله تعالى -فى مختصره المبارك المعروف به وحكم الحاكم لأبويه وولده وزوجته باطل اهـ وهى دوارة فى متون المذهب من باب التحكيم وقال العلامة الشيخ خليل فى مختصره من كتب الإمام مالك بن أنس إمام دار الهجرة -رحمه الله تعالى -ولا يحكم الحاكم لمن لا يشهد له على المختار اهـ قال شارحه التتائى كابنه وأبيه وزوجته ونحوهم اهـ وقال العلامة ابن حجر الهيتمى من أئمة الإمام الجليل محمد بن إدريس الشافعى -رحمه الله تعالى -فى كتاب القضاء فى التحفة تحت قول المنهاج ولا ينفذ حكمه لنفسه ثم قال وكذا أصله وفرعه على الصحيح قال ابن حجر؛ لأنهم أبعاضه فكانوا كنفسه اهـ وقال العلامة الشيخ موسى الحجاوى فى كتاب الإقناع فى مذهب الإمام الجليل المحدث الإمام أحمد بن حنبل -رحمه الله تعالى -فى كتاب القضاء ولا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

رہی وہ صورت، جس میں امام وحکمران نے جمعہ کے انعقاد کو اپنے لیے خاص ہی نہ رکھا ہو، بلکہ اس کی طرف سے اہلِ مصر کے لیے قضاءً تعددِ جمعہ کا انتظام موجود ہو، اور وہ لوگوں کو معلوم و

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يصح أن يحكم لنفسه ولا لمن لا تقبل شهادته له وقال في كتاب الشهادات موانع الشهادة ستة أحدها قرابة الولادة فلا تقبل من عمودى النسب بعضهم لبعض من والد وإن علا ولو من جهة الأم وولد وإن سفل من ولد البنين والبنات(العقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية، ج ۱، ص ۲۹۶، كتاب القضاء)

(فروع ليس للقاضى تزويج الصغيرة من نفسه ولا ممن لا تقبل شهادته)

(قوله ولا ممن لا تقبل شهادته له) كأصوله وإن علوا، وفروعه وإن سفلوا ط (قوله علم أن فعله حكم) أى وليس له أن يحكم لنفسه لأنه فى حق نفسه رعية وكذا السلطان ح عن الهندية.

(تنبيه) أفتى ابن نجيم بأن القاضى إذا زوج يتيمة ارتفع الخلاف، فليس لغيره نقضه أى لما علمت من أن ذلك حكم منه ثم رأيت ما أفتى به فى أنفع الوسائل (قوله وإن عرى عن الدعوى) وأما قولهم على شرط نفاذ القضاء فى المجتهدات أن يصير الحكم حادثة تجرى فيه خصومة صحيحة عند القاضى من خصم على خصم فالظاهر أنه محمول على الحكم القولى، أما الفعلى يشترط فيه ذلك توفيقا بين كلامهم نهر.

قلت :وكذا القضاء الضمنى لا تشترط له الدعوى والخصومة كما إذا شهدا على خصم بحق وذكرا اسمه واسم أبيه وجده وقضى بذلك الحق كان قضاء بنسبه ضمنا وإن لم يكن فى حادثة النسب، وكذا لو شهدا بأن فلانة زوجة فلان وكلت زوجها فلانا فى كذا على خصم منكر وقضى بتوكيلها كان قضاء بالزوجية بينهما ونظيره الحكم بثبوت الرمضانية فى ضمن دعوى الوكالة وتمامه فى قضاء الأشباه(رد المحتار على الدر المختار، ج۳، ص ۸۰، كتاب النكاح، باب الولى)

فإن قلت :فماذا تفعل فيما اتفقت كلمتهم عليه من أن شرط نفاذ القضاء فى المجتهدات أن يصير الحكم حادثة تجرى فيه خصومة صحيحة عند القاضى من خصم على خصم، قلت :الظاهر إنه محمول على الحكم القولى أما الفعلى فلا يشترط فيه ذلك توفيقا بين كلامهم(منحة الخالق، ج۳، ص ۱۳۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء)

القاضى لا يقضى لنفسه بالإجماع(منحة الخالق، ج۷، ص ۱۴، كتاب القضاء، باب كتاب القاضى إلى القاضى وغيره)

ليس للقاضى أن يحكم لنفسه أو لمن لا تجوز شهادتهم له فإذا حكم لا ينفذ حكمه لأن فى ذلك تهمة(درر الحكام فى شرح مجلة الأحكام، لعلى حيدر خواجه أمين أفندى، ج۴، ص ۶۱۴، الكتاب السادس عشر القضاء، الباب الأول فى حق القضاة، الفصل الثالث، المادة 1808)

www.idaraghufran.org

مشہور ہو، تو وہ مذکورہ صورت سے خارج ہے، کیونکہ اس میں حکمران نے خود ہی لوگوں کو دوسری جگہ اذنِ عام دے کر جمعہ کی اپنے ساتھ تخصیص کو غیر مؤثر قرار دے دیا ہے، اور ایسی صورت میں حکمران کے اذنِ عام کے بغیر جمعہ پڑھنے کی حیثیت اپنے لیے فیصلہ کرنے کی شمار نہیں ہوتی، جو کہ ''موضعِ تہمت'' تھی، جیسا کہ علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کے حوالہ سے گزرا۔

اور آج ہمارے یہاں کی حالت سابق زمانوں سے یکسر مختلف ہے، چنانچہ عرب وغیرہ ممالک میں مسلم حکمرانوں کی طرف سے جگہ جگہ تعددِ جمعہ کا نظم و انتظام لوگوں کو معلوم ہے، اور پاکستان جیسے ممالک میں حکمران کی طرف سے اپنے اپنے طور پر امام مقرر کر کے لوگوں کو جمعہ پڑھنے کی دلالتاً اجازت ہے، اور ہندوستان جیسے ممالک میں حکمران، غیر مسلم ہیں، وہاں بھی مسلمان خود اپنے اپنے طور پر امام کو مقرر کر کے جمعہ قائم کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اگر چند لوگ اپنے طور پر بغیر اعلان کے نمازِ جمعہ اداء کریں گے، تو وہ سابق زمانے کے سلطان یا امیر کی طرح، خود سے کسی کے جمعہ کو فوت کرنے اور سلطان کی طرح اپنے حق میں کوئی قضائی فیصلہ کرنے والے شمار نہیں ہوں گے، کیونکہ ان میں سے کوئی شخص بھی سابق زمانے کے سلطان، یا امیر کی طرح ایسا نہیں، جس کی یا اس کے نائب کی متعین طور پر موجودگی اہلِ شہر کے جمعہ صحیح ہونے کے لیے شرط ہو، اور اس حیثیت سے اذنِ عام کے بغیر اس کا جمعہ پڑھنا، اپنے حق میں فیصلہ کی وجہ سے موضعِ تہمت ہو۔

''المبسوط للسرخسی'' کا حوالہ

شمس الائمہ سرخسی (المتوفی: 483ھ) نے ''المبسوط'' میں فرمایا کہ:

''اور ہمارے نزدیک، جمعہ کی شرائط میں سے ''سلطان'' کا ہونا بھی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اس سے اختلاف کرتے ہیں، اور وہ جمعہ کو، دوسری تمام فرض

نمازوں کی ادائیگی پر قیاس کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ جمعہ کی ادائیگی میں سلطان اور رعایا برابر ہیں۔

اور ہماری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے کہ جس نے جمعہ کو سستی وغیرہ کی وجہ سے ترک کردیا، اور اس کا حکمران تھا، خواہ ظالم یا عادل، تو اس کا نماز، روزہ قبول نہیں ہوگا۔ [1]

---

[1] علامہ سرخسی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے، جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، اس کے پورے الفاظ، انہوں نے ''باب صلاة الجمعة'' کے شروع میں درجِ ذیل طریقہ پر ذکر کیے ہیں۔

والسنة حديث جابر – رضى الله عنه – قال :خطبنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم - فقال :أيها الناس توبوا إلى ربكم قبل أن تموتوا وتقربوا إلى الله بالأعمال الصالحة قبل أن تشغلوا وتحببوا إلى الله بالصدقة فى السر والعلانية تجبروا وتنصروا وترزقوا واعلموا أن الله تعالى كتب عليكم الجمعة فى يومى هذا فى شهرى هذا فى مقامى هذا فمن تركها تهاونا بها واستخفافا بحقها وله إمام جائر أو عادل فلا جمع الله شمله ألا فلا صلاة له ألا فلا صوم له إلا أن يتوب فإن تاب تاب الله عليه(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى ،ج۲،ص ۲۱،۲۲، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

لیکن مذکورہ روایت کی سند پر کلام ہے، جبکہ بعض روایات میں ''امام'' کے الفاظ موجود نہیں۔

حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، حدثنا الوليد بن بكير، حدثنى عبد الله بن محمد العدوى، عن على بن زيد، عن سعيد بن المسيب،عن جابر بن عبد الله، قال: خطبنا رسول الله – صلى الله عليه وسلم –؛ فقال:" يا أيها الناس، توبوا إلى الله قبل أن تموتوا، وبادروا بالأعمال الصالحة قبل أن تشغلوا، وصلوا الذى بينكم وبين ربكم بكثرة ذكركم له، وكثرة الصدقة فى السر والعلانية؛ ترزقوا وتنصروا وتجبروا.

واعلموا أن الله قد افترض عليكم الجمعة فى مقامى هذا، فى يومى هذا، فى شهرى هذا، من عامى هذا إلى يوم القيامة، فمن تركها فى حياتى أو بعدى، وله إمام عادل أو جائر، استخفافا بها، أو جحودا لها، فلا جمع الله له شمله، ولا بارك له فى أمره، ألا ولا صلاة له، ولا زكاة له، ولا حج له، ولا صوم له، ولا بر له حتى يتوب، فمن تاب تاب الله عليه.

ألا لا تؤمن امرأة رجلا، ولا يؤم أعرابى مهاجرا، ولا يؤم فاجر مؤمنا، إلا أن يقهره سلطان ، يخاف سيفه وسوطه"(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۰۸۱ ، باب فرض الجمعة)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده تالف، على بن زيد بن جدعان ضعيف، وعبد الله بن محمد العدوى الراوى عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور روایت میں ہے کہ چار چیزیں حکمرانوں کے سپرد کی گئی ہیں، جن میں سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

متروک وقد اتهمه بعضهم، والوليد بن بكير لين الحديث.
وأخرجه عبد بن حميد (1136)، وابـن عدى فى ترجمة عبد الله بن محمد العدوى من "الكامل 4/ 1498 "من طريق على بن زيد بن جدعان، بهذا الإسناد.
وأخرجه أبو يعلى (1856)، وعنه ابن عدى 4/ 1498 عـن عبد الغفار بن عبد الله، عن المعافى بن عمران، عن فضيل بن مرزوق، عن الوليد، عن محمد بن على الباقر، عن سعيد بن المسيب، به .عبد الغفار لم يوثقه سوى ابن حبان، والوليد مجهول.
وله شاهد لا يفرح به من حديث أبى سعيد الخدرى عند الطبرانى فى "الأوسط" (7246)فى سنده موسى بن عطة الباهلى لم نقف له على ترجمة، وفيه أيضا عطية العوفى ضعيف(حاشية سنن ابنِ ماجه)
وقال الالبانى:
قلت: وهذا إسناده واهٍ جداً , وفيه ثلاث علل(ارواء الغليل فى تخريج احاديث منار السبيل، ج۳ص ۵۱، تحت رقم الحديث ۵۹۱، باب صلاة الجمعة)
حدثنا أبو بكر أحمد بن محمد بن أبى شيبة، حدثنا مهنى بن يحيى، حدثنا زيد بن أبى الزرقاء ، عن سفيان، عن على بن زيد، عن سعيد بن المسيب، عن جابر بن عبد الله قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله عز وجل افترض الجمعة فى يومكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا إلى يوم القيامة ألا فمن تركها استخفافا بها أو تهاونا فلا جمع الله له شمله ولا بارك له ألا ولا صلاة له ألا ولا يؤمن فاجر برا.
هذا حديث غريب من حديث سفيان الثورى، عن على بن زيد بن جدعان، تفرد به زيد بن أبى الزرقاء عنه وتفرد به مهنى بن يحيى، عن زيد(الأفراد،للدارقطنى، رقم الرواية ۳۱)
اور اگر مذکورہ روایت کو معتبر بھی مانا جائے، تو اس سے جمعہ کی اہمیت، اور اس کو ترک کرنے کا گناہ ثابت ہوتا ہے، لیکن اس سے صحتِ جمعہ کے لیے امام کے شرط ہونے کا ثبوت، پھر بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے جمعہ کے قیام میں معاون ہونا، اور کسی قسم کی رکاوٹ کا نہ ہونا مقصود ہوسکتا ہے ''والإحتمال يسقط الإستدلال'' ۔محمد رضوان خان۔
وفى إسناده ضعف واضطراب واختلاف، قد أشرنا إلى بعضه فيما تقدم فى ((أبواب الإمامة)) وفيه: دليل على أن الجمعة إنما فرضت بالمدينة؛ لأن جابرا إنما صحب النبى – صلى الله عليه وسلم – وشهد خطبته بالمدينة، وهذا قول جمهور العلماء(فتح البارى لابنِ رجب، ج۸ص ۶۲، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة)
والذى عند كثير من العلماء محمول على الكراهة وإلا فالصلاة صحيحة وقد يستدل بمثل هذا من يقول الفاسق ليس بمؤمن قوله (بسلطان) أى غلبة وفى الزوائد إسناده ضعيف لضعف على بن زيد بن جدعان وعبد الله بن محمد العدوى(حاشية السندى على سنن ابنِ ماجه، ج ۱ ص ۳۳۴، ۳۳۵، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب فى فرض الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ایک جمعہ ہے۔ [1]

اس کے علاوہ ایک دلیل یہ ہے کہ (سلطان کے بغیر) لوگ جمعہ قائم کرنے کے لیے، بہت سے لوگوں کو نظر انداز کردیں گے، اور اگر اس میں سلطان شرط نہیں ہوگا، تو فتنہ اور جھگڑا لازم آئے گا، کیونکہ سب لوگ جمعہ کے اجتماعات کی طرف ایک دوسرے پر سبقت کریں گے، اور وہ اپنی غرض کی بنیاد پر جمعے قائم کریں گے، اور دوسروں کے جمعے فوت کردیں گے، جس میں واضح فتنہ لازم آئے گا، لہٰذا اس جمعہ کو ایسے امام کی طرف سپرد کیا جائے گا، جس کی طرف لوگوں کے احوال سپرد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(واعلموا) أيها الناس (أن الله) عز وجل (قد افترض) أي: فرض وأوجب (عليكم الجمعة) أي: صلاتها .وهذا موضع الترجمة .

(في مقامي هذا، في يومي هذا، في شهري هذا من عامي هذا إلي يوم القيامة، فمن تركها) أي: ترك صلاة الجمعة بغير عذر من أعذار الجمعة؛ كالمرض والمطر والخوف مما هو مبسوط في كتب الفروع (في حياتي أو بعدي) أي: بعد وفاتي، (وله) أي: والحال أن لذلک التارک (إمام عادل يأمر بالمعروف وينهى عن المنكرات، (أو جائر) لا يأمر بالمأمورات ولا ينهى عن المنكرات؛ أي: تركها (استخفافا) لشأنها وعدم اهتمام (بها أو جحودا لها) أي: إنكارا لوجوبها) ..فلا جمع الله له) أي: لذلک التارک (شمله) أي: شؤونه، (ولا بارک) الله (له) أي: لذلک التارک (في أمره) أي: في شغله دينا ودنيا(شرح سنن ابن ماجة المسمى مرشد ذوى الحجا والحاجة إلى سنن ابن ماجه والقول المكتفى على سنن المصطفى، لمحمد الامين بن عبدالله علوى اثيوبى بويطى، ج۷ص ۳۲، ۳۳، باب في فرض الجمعة)

[1] یہ مضمون بھی کسی مرفوع حدیث میں دستیاب نہیں، البتہ بعض محدثین سے اس طرح کے آثار مروی ہیں۔ مگر اس کو دیگر حضرات نے استحباب وغیرہ پر محمول کیا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محمد دہلوی کے حوالہ سے گزرا، اور بعض نے اس کو انتظامی شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔ محمد رضوان خان۔

حدثنا عبدة ، عن عاصم ، عن الحسن ، قال :أربعة إلى السلطان ؛ الزكاة ، والصلاة ، والحدود ، والقضاء .

حدثنا ابن مهدى ، عن حماد بن سلمة ، عن جبلة بن عطية ، عن ابن محيريز ، قال : الجمعة ، والحدود ، والزكاة ، والفيء إلى السلطان.

حدثنا عمر بن أيوب ، عن مغيرة بن زياد ، عن عطاء الخراسانى ، قال :إلى السلطان الزكاة ، والجمعة ، والحدود(مُصنف ابن أبى شيبة، كتاب الحدود،من قال الحدود إلى الإمام)

کیے جاتے ہیں، اور اس کی طرف سے لوگوں کے درمیان عدل قائم ہوتا ہے، کیونکہ وہی فتنے کو تسکین پہنچانے کا زیادہ اہم ومؤثر ذریعہ ہے۔

اور اِذنِ عام جمعہ کی شرائط میں سے ہے، یہاں تک کہ اگر سلطان اپنے حشم وخدم کے ساتھ اپنے محل میں جمعہ کی نماز پڑھ لے، تو اگر وہ محل کے دروازے کھول دے، اور لوگوں کو اجازتِ عام دیدے، تو اس کی نماز جائز ہوگی، خواہ عامۃُ الناس نماز میں آئیں یا نہ آئیں، اور اگر محل کے دروازے نہ کھولے، اور ان کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے، تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی (جس کی دلیل یہ ہے)

”لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس ولا يحصل ذلک إلا بالإذن العام وكما يحتاج العامة إلى السلطان فى إقامتها فالسلطان يحتاج إليهم بأن يأذن لهم إذنا عاما بهذا يعتدل النظر من الجانبين“

کیونکہ جمعہ کے لیے سلطان کی شرط اس لیے تھی، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہوجائے، اور یہ بات اذنِ عام کے بغیر حاصل نہیں ہوگی، اور جس طرح عوام، جمعہ قائم کرنے کے لیے سلطان کے محتاج ہوتے ہیں، پس سلطان بھی، عوام کا اس چیز میں محتاج ہوگا کہ وہ لوگوں کو اجازتِ عام دے دے۔

اس سے جانبین کی رعایت ملحوظ رہے گی“۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] (قال) والسلطان من شرائط الجمعة عندنا خلافا للشافعى – رضى الله عنه – وقاسه بأداء سائر المكتوبات فالسلطان والرعية فى ذلک سواء.

(ولنا) ما روينا من حديث جابر – رضى الله عنه – وله إمام جائر أو عادل فقد شرط رسول الله – صلى الله عليه وسلم – الإمام لإلحاقه الوعيد بتارک الجمعة وفى الأثر أربع إلى الولاة منها الجمعة ولأن الناس يتركون الجماعات لإقامة الجمعة ولو لم يشترط فيها السلطان أدى إلى الفتنة لأنه يسبق بعض الناس إلى الجامع فيقيمونها لغرض لهم وتفوت على غيرهم وفيه من الفتنة ما لا يخفى فيجعل مفوضا إلى الإمام الذى فوض إليه أحوال الناس والعدل بينهم لأنه أقرب إلى تسكين الفتنة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت میں سلطان کے، لوگوں کو اپنے ساتھ، جمعہ میں شریک ہونے کا اذنِ عام نہ دینے، اور اپنے محل کا دروازہ، بند کر کے اپنے حشم وخدم کے ساتھ، نماز پڑھ لینے کی صورت میں، اس کی نماز نہ ہونے کی دلیل جن الفاظ میں بیان کی گئی ہے، ہم نے اوپر کی عبارت میں ان الفاظ کو نمایاں طور پر نقل کر دیا ہے۔

مذکورہ عبارت میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ سلطان کی شرط، اس لیے تھی، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہو جائے، کیونکہ سلطان کی امامت وسیادت پر رعایا متفق ہوتی ہے، اور اس کی امامت سے اختلاف کی کسی کو جرائت نہیں ہوتی، اور اس بات کا بھی ہر ایک کو ڈر ہوتا ہے کہ اگر سلطان کو میری جمعہ میں غیر حاضری کا خود سے یا کسی کے بتلانے سے علم ہو گیا، تو تعزیر وغیرہ ہو سکتی ہے۔

اور جب بناء پر مصالحِ مختلفہ، عندالحنفیہ لوگوں کے صحتِ جمعہ وانعقادِ جمعہ کے لیے سلطان کو شرط قرار دیا گیا، تو دوسری طرف، سلطان اپنا جمعہ قائم کرنے کے لیے لوگوں کا محتاج ہوگا، اور اس کو لوگوں کے بغیر اپنا جمعہ قائم کرنا، یا جمعہ کو اپنے لیے مختص کرنا جائز نہ ہوگا۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ نے جب ''ظاہرُ الروایۃ'' کے مطابق صحتِ جمعہ کے لیے ''سلطان'' کو شرط قرار دیا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام لوگوں کے فریضۂ جمعہ کی صحت ''سلطان'' کے ہاتھ میں ہے، جب تک وہ لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کر کے جمعہ نہ پڑھوائے گا، ان کا فریضہ اداء نہ ہوگا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والإذن العام من شرائطها حتى أن السلطان إذا صلى بحشمه فى قصره فإن فتح باب القصر وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدها العامة أو لم يشهدوها وإن لم يفتح باب قصره ولم يأذن لهم فى الدخول لا يجزئه لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس ولا يحصل ذلک إلا بالإذن العام وكما يحتاج العامة إلى السلطان فى إقامتها فالسلطان يحتاج إليهم بأن يأذن لهم إذنا عاما بهذا يعتدل النظر من الجانبين(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى ،ج٢،ص٢٥، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہوا کہ حکمران، عوام کو اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کا اذنِ عام بھی دے، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہو جائے۔

لوگوں کے جمعہ کے فوت ہونے سے بچانے کے لیے ''سلطان'' کو اس کا ساتھ ہی پابند کر دیا گیا کہ اگر وہ لوگوں کو اذنِ عام نہ دے گا، تو اس کا اپنا جمعہ درست نہ ہوگا، کیونکہ جب وہ اذنِ عام نہ دے کر بے شمار لوگوں کے جمعہ کے فریضہ کو ضائع کر رہا ہے، تو اس عظیم مفسدہ سے بچنے کے لیے، سلطان کے جمعہ کو ہی کالعدم قرار دیا جائے۔

یہی دلیل علامہ سرخسی کی آنے والی عبارت میں مزید صراحت کے ساتھ آتی ہے۔

چنانچہ علامہ سرخسی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

اگر امیرِ مصر نے محل کے دروازے کھول دیے، اور مؤذن کو حکم دے کر اذان دِلوائی، پھر لوگوں کو محل میں جمع کر کے جمعہ پڑھا دیا، تو ان کا جمعہ جائز ہو جائے گا، اور محل کے دروازے کھولنے سے مراد یہ ہے کہ عام لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دیدے، تو اس صورت میں وہ امیر اپنی شرائط کے ساتھ جمعہ کو ادا کرنے والا ہوگا (اور حکمران کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ شہر کے لوگوں کو جمعہ پڑھائے، اور لوگوں کو اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کی عام اجازت دے، تاکہ وہ حکمران کے ساتھ شریک ہو کر، حکمران کی شرط کو ملحوظ رکھ کر اپنے فریضۂ جمعہ کو ادا کر لیں)

لیکن وہ لوگوں کو اذنِ عام دے کر بھی اپنے محل میں جمعہ قائم کرنے کے فعل کی وجہ سے بُرا کام کرنے والا ہوگا، کیونکہ جمعہ قائم کرنے کی جگہ جامع مسجد ہے، اس نے اس مقام کے ساتھ (جمعہ قائم نہ کر کے) زیادتی کی، اور اس کے اس طرزِ عمل میں تعلّی اور ترفع کی شان بھی پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے محل سے مسجد کی طرف نہیں نکلا، جو سلف کے طریقہ کے مخالف ہے (اس لیے، اس کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہوگا)

اور اگر اس نے محل کے دروازے نہیں کھولے، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت

نہیں دی، اور اپنے حشم وخدم کے ساتھ جمعہ پڑھ لیا، تو پھر ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جمعہ کے لئے اذنِ عام شرط ہے، جو کہ نہیں پایا گیا (پھر فرمایا کہ)

” وإنما جعلنا الإذن العام شرطا؛ لأنه مأمور بأن يصلى الجمعة بأهل المصر فإن موضع إقامة الجمعة فيه المصر وإذا لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول لم يكن مصليا بأهل المصر وإنما جعلنا -السلطان شرطا فى الجمعة لئلا يفوت بعض أهل المصر على البعض صلاة الجمعة لذلک لا يكون للسلطان أن يفوت الجمعة على أهل المصر فلهذا شرطنا الإذن العام فى ذلک“

اور ہم نے اذنِ عام کو اس لئے شرط قرار دیا ہے، کہ سلطان کو حکم ہے کہ وہ اہلِ مصر کو جمعہ کی نماز پڑھائے، کیونکہ جمعہ کی نماز کا مقام شہر ہے، اور جب قلعہ کا دروازہ نہیں کھولا جائے گا، تو سلطان، اہلِ مصر کو جمعہ کی نماز پڑھانے والا نہیں ہوگا، اور ہم نے سُلطان کو جمعہ کے لئے اسی بناء پر شرط قرار دیا، تاکہ اہلِ مصر ایک دوسرے کے جمعہ کو فوت نہ کردیں (جس کی وجوہات پہلے گزریں) اس وجہ سے سلطان کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ اہلِ مصر کا جمعہ فوت کردے، پس اسی وجہ سے ہم نے اس میں اذنِ عام کو بھی شرط قرار دیا۔ [1]

---

[1] مندرجہ بالا عبارت کا مطلب پوری طرح واضح ہے کہ حنفیہ کی ”ظاهرُ الرواية“ کے مطابق ”سلطان“ یا اس کا نائب، صحتِ جمعہ کے لیے شرط ہے، اور شہر کے لوگوں پر جمعہ واجب ہے، لہٰذا ”سلطان“ پر واجب ہوا کہ وہ اہلِ مصر کو جمعہ پڑھائے، اور اہلِ مصر کو جمعہ پڑھانا، اور ان کو جمعہ پڑھنا، اس وقت تک ممکن نہ ہوگا، جب تک ”سلطان“ اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کا اہلِ مصر کو اذنِ عام نہ دے گا۔

لیکن منسلکہ نرالے فتوے میں مذکورہ عبارت کے اس حصے کو حذف کردیا گیا، جس کا تعلق اذنِ عام کے اصل مسئلے سے تھا، اور اس کے اگلے حصے یعنی ”وإنما جعلنا السلطان شرطا فى الجمعة لئلا يفوت بعض أهل المصر على البعض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر امیرِ مصر نے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم کیا، اور خود اپنی ضرورت سے باہر چلا گیا، پھر وہ امیر شہر میں واپس آیا، اور کسی مسجد میں داخل ہوکر، جمعہ پڑھ لیا، تو جامع مسجد والوں کا جمعہ جائز ہوجائے گا، کیونکہ امام کے نائب میں جمعہ کی شرائط مکمل پائی جاتی ہیں، اور اہلِ شہر نے جمعہ کی نماز پڑھ لی ہے، اور امیرِ مصر کا اپنا جمعہ جائز نہیں ہوگا، مگر اسی صورت میں جائز ہوگا کہ جب تمام لوگ اس کے جمعہ کو جان لیں، اس طور پر کہ وہ ان کو اپنے ساتھ جمعہ کی اجازتِ عام دیدے، تو اس صورت میں ہی اس کا جمعہ جائز ہوگا، کیونکہ امیرِ مصر جمعہ کی شرائط کو اس کے بغیر جمع کرنے والا نہیں ہوگا (اور وہ شرط یہی ہے، جو ذکر کی گئی کہ امام وحکمران یا امیرِ مصر کو اہلِ شہر کے جمعہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے، خود اپنے جمعہ کے لیے مقرر نہیں کیا گیا) اور اس طرح یہ دو مقامات پر جمعہ قائم کرنے کی طرح ہوجائے گا۔

اور شہر میں دو مقامات پر جمعہ قائم کرنے کے متعلق، روایات مختلف ہیں، لیکن صحیح قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے کہ ایک شہر میں دو اور اس سے زیادہ مقامات پر، جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے۔

اور امام ابویوسف سے اس سلسلہ میں دو روایات مروی ہیں، ایک روایت کے مطابق دو مقامات پر جائز ہے، اور اس سے زیادہ میں جائز نہیں، اور دوسری روایت کے مطابق ایک شہر میں دو مقامات پر جائز نہیں، مگر اسی صورت میں جبکہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

صلاة الجمعة لذلک لا یکون للسلطان أن یفوت الجمعة علی أھل المصر فلھذا شرطنا الإذن العام فی ذلک'' کو نقل کر کے یہ مطلب نکالا گیا کہ سلطان کی شرط بھی اذنِ عام کو بروئے کار لانے کے لیے ہے۔

اور اس طرح ''ظاھرُ الروایة'' کی شرط کو ایک ''نادرُ الروایة'' کے تابع کر دیا گیا، حالانکہ اذنِ عام کی شرط ''سلطان'' کی شرط پر متفرع تھی، جس کی تفصیل وتوضیح ہم دوسرے مقام پر نقل کر چکے ہیں، اور اس سے پہلے سرخسی ہی کی عبارت میں بھی اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ محمد رضوان خان۔

www.idaraghufran.org

شہر کے درمیان میں بڑی نہر ہو، جیسا کہ بغداد، اس صورت میں نہر کی دونوں جانب علیٰحدہ شہر کا حکم رکھیں گی۔

امام ابو یوسف کی اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے بعد، ایک شہر میں ایک مسجد سے زیادہ جگہ جمعہ قائم نہیں کیے گئے، اور اگر ان کو دو جگہ قائم کرنا جائز ہوگا، تو اس سے زیادہ میں بھی جائز ہوگا، لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ ہر مسجد والے، اپنی مسجد میں جمعہ پڑھ لیں، جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اور جمعہ کو دو جگہ جائز قرار دینے میں جماعت کی تقلیل پائی جاتی ہے، اور جمعہ کا قائم کرنا دین کے شعائر میں سے ہے، تو ایسا قول کرنا جائز نہیں ہوگا، جو اس کی تقلیل کا باعث ہو۔ [1]

اور دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ شہر بعض اوقات بڑا ہوتا ہے، جس میں بوڑھوں اور کمزوروں کو ایک جگہ جمع ہونا مشکل ہوتا ہے، تو اس وجہ سے ہم نے شہر میں دو جگہ جمعہ قائم کرنے کو جائز قرار دے دیا، جس کی بنیاد عید کی نماز ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں پڑھا کرتے تھے، اور شہر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کمزور لوگوں کو عید کی نماز پڑھنے کے لئے مقرر فرما دیتے تھے۔

لہٰذا دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول کی دلیل یہ ہے کہ روایت میں ہے کہ جمعہ مصرِ جامع میں ہی جائز ہے، تو جمعہ قائم کرنے کے لئے شہر شرط ہے، اور یہ شرط شہر کے ہر فریق کے حق میں پائی جاتی ہے۔

اور اگر امام (یعنی سلطان) جمعہ کے دن استسقاء کے لئے نکلا، اور اس کے

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے شعارِ دین ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ شہر میں ایک جگہ ہی جمعہ جائز ہو، اور ایک سے زیادہ مقامات پر اذنِ عام کی شرط کے ساتھ بھی جائز نہ ہو، جبکہ بعض اصحابِ علم، یہی دلیل اذنِ عام کی شرط کے لیے پیش کرتے ہیں، جس پر کلام ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

www.idaraghufran.org

ساتھ بہت سے لوگ بھی نکلے، اور اس نے اپنے پیچھے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے ایک شخص کو مقرر کردیا، پھر اس نے اپنے ساتھ موجود لوگوں کے ساتھ عیدگاہ میں جمعہ کی نماز پڑھ لی، اور عیدگاہ شہر سے ایک غِلوہ کے فاصلے پر تھی، تو دونوں فریقوں کی نماز جائز ہوجائے گی، کیونکہ فنائے مصر کو، جوفِ مصر کا حکم حاصل ہے، اور جس طرح سے جمعہ کی نماز کے لئے شہر شرط ہے، اسی طرح سے عید کی نماز کے لئے بھی شرط ہے، اور عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کی جایا کرتی ہے، جبکہ وہ ایک غِلوہ کے فاصلہ پر ہو، بلکہ اس سے زیادہ فاصلے پر بھی ہو، تو اسی طریقہ سے اس مقام میں جمعہ کا قائم کرنا بھی جائز ہوگا''۔ انتہٰی۔ [1]

---

[1] ولو أن أميرا فتح أبواب القصر وأمر المؤذن فأذن فجمع بالناس فی قصره فإنه يجزيهم والمراد من فتح أبواب القصر الإذن للعامة بالدخول وقد أدى الجمعة وهو مستجمع لشرائطها ولكنه مسیء فيما صنع؛ لأن الموضع المعد لإقامة الجمعة فيه المسجد وقد جفا ذلک الموضع، وفی فعله نوع ترفع حيث لم يخرج من قصره إلى المسجد ففعله هذا مخالف فعل السلف فكان مسيئا فی ذلک، وإن لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول وصلى بحشمه ومواليه لم يجزهم؛ لأن من شرط الجمعة الإذن العام ولم يوجد وإنما جعلنا الإذن العام شرطا؛ لأنه مأمور بأن يصلی الجمعة بأهل المصر فإن موضع إقامة الجمعة فيه المصر وإذا لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول لم يكن مصليا بأهل المصر وإنما جعلنا -السلطان شرطا فی الجمعة لئلا يفوت بعض أهل المصر على البعض صلاة الجمعة لذلک لا يكون للسلطان أن يفوت الجمعة على أهل المصر فلهذا شرطنا الإذن العام فی ذلک.

ولو أمر الأمير إنسانا فصلى بالناس الجمعة فی المسجد الجامع وانطلق فی حاجة له ثم دخل المصر فی بعض المساجد فصلى الجمعة قال يجزء أهل المسجد الجامع؛ لأن خليفته مستجمع لشرائط الجمعة وقد صلى بأهل المصر ولا يجزئه صلاته إلا أن يكون علم الناس بذلک بأن أذن لهم إذنا عاما فی الصلاة معه فحينئذ يجوز؛ لأنه لا يكون مستجمعا شرائط الجمعة إلا بذلک.

وهذا إقامة الجمعة فی موضعين.

واختلفت الروايات فی إقامة الجمعة فی موضعين فی مصر واحد فالصحيح من قول أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى أنه يجوز إقامة الجمعة فی مصر واحد فی موضعين وأكثر من ذلک وعن أبی يوسف -رحمه الله تعالى -فيه روايتان فی إحدى الروايتين تجوز فی موضعين ولا تجوز فی أكثر من ذلک وفی الرواية الأخرى لا يجوز إقامة الجمعة فی مصر واحد فی موضعين إلا أن يكون فی وسط المصر نهر عظيم كما هو ببغداد فحينئذ يكون كل جانب فی حكم مصر على حدة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت کو علامہ سرخسی نے ''نوادرُ الصلاۃ'' میں ذکر کیا ہے، جس سے واضح ہوا کہ امیرِ مصر کے کسی ضرورت سے باہر جا کر واپس آنے کی صورت میں لوگوں کو اطلاع دیئے بغیر، نمازِ جمعہ کے جائز نہ ہونے کے جزئیہ سے اذنِ عام کی شرط پر استدلال کیا گیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ''نوادر'' کا یہ جزئیہ، امیرِ مصر یعنی حکمران سے متعلق ہے، جس کی دلیل بھی ساتھ ہی مذکور ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ووجه هذه الرواية أن فى زمن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -والخلفاء بعده فتحت الأمصار ولم يتخذ أحد منهم فى كل مصر أكثر من مسجد واحد لإقامة الجمعة ولو جاز إقامتها فى موضعين جاز فى أكثر من ذلك فيؤدى إلى القول بأن يصلى أهل كل مسجد فى مسجدهم، وأحد لا يقول بذلك، وفى تجويز إقامة الجمعة فى موضعين فى مصر واحد تقليل الجماعة وإقامة الجمعة من أعلام الدين فلا يجوز القول بما يؤدى إلى تقليلها .

ووجه الرواية الأخرى أن المصر قد يكون متباعد الجوانب فيشق على الشيوخ والضعفاء التحول من جانب إلى جانب لإقامة الجمعة فلدفع هذا العسر جوزنا إقامتها فى موضعين والأصل فيه حديث على -رضى الله عنه -حين خرج يوم العيد إلى الجبانة استخلف من يصلى بالضعفة فى المسجد الجامع، وما ثبت بالضرورة يتقدر بقدرها وهذه الضرورة ترتفع بتجويزها فى موضعين فلا نجوزها فى أكثر من ذلك.

وجه قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى قول النبى -صلى الله عليه وسلم -لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع فإنما شرط لإقامة الجمعة المصر الواحد وهذا الشرط فى حق كل فريق ولأن الحرج مدفوع. وفى القول بأنه لا تجوز إقامتها إلا فى موضع واحد معنى الحرج ومعنى تهييج الفتنة، فقد يكون بين أهل مصر واحد اختلاف على وجه لو اجتمعوا فى موضع كان ذلك سببا لتهييج الفتنة وقد أمرنا بتسكينها فلهذا جوزنا إقامتها فى موضعين وأكثر من ذلك.

ولو خرج الإمام يوم الجمعة إلى الاستسقاء وخرج معه ناس كثير وخلف إنسانا فصلى بهم فى المسجد الجامع وصلى هو بمن معه الجمعة فى الجبانة وهو على غلوة من المصر فصلاة الفريقين جائزة؛ لأن فناء المصر فى حكم جوف المصر فكان هذا وما لو صلى الإمام فى جوف المصر سواء ثم المصر كما يشترط لإقامة الجمعة يشترط لإقامة صلاة العيد وهو إنما يؤدى فى الجبانة على غلوة من المصر أو أكثر من ذلك فكذلك تجوز إقامة الجمعة فى مثل هذا الموضع.

فإن قيل أليس فى حق المسافر هذا الموضع فى حكم المفازة لا فى حكم جوف المصر حتى إن من خرج من أهل هذا المصر على نية السفر يصلى صلاة المسافرين فى هذا الموضع ومن قدم مسافرا من أهل هذا المصر فانتهى إلى هذا الموضع صلى صلاة المسافرين أيضا فكذلك فى حق إقامة الجمعة ينبغى أن يجعل هذا الموضع بمنزلة المفازة (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج۲، ص ۱۲۰، ۱۲۱، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

لہٰذا اذنِ عام کی مذکورہ حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور اس کو نظر انداز کرنا درست نہیں، جس کے بارے میں گزر چکا ہے کہ یہ جزئیہ، اس صورت سے متعلق ہے، جبکہ پہلے سے مصر میں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو۔

چنانچہ خود علامہ سرخسی نے ''المبسوط'' میں معذور و مسجون کے جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے مکروہ ہونے کے ذیل میں فرمایا کہ:

ولأن الناس أغلقوا أبواب المساجد فی وقت الظهر يوم الجمعة فی الأمصار (المبسوط، لشمس الأئمة السرخسی، ج ۲، ص ۳۵، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور کیونکہ آج تک، ہر دور میں جمعہ کے دن ظہر کے وقت میں (جامع مسجد کے علاوہ) مساجد کے دروازے بند کرنے کا رواج رہا ہے (المبسوط)

اور امام قدوری (المتوفیٰ: 428ھ) نے ''التجرید'' میں فرمایا کہ:

''آج تک سب لوگ، تمام زمانوں میں جمعہ کے دن مساجد کو بند رکھتے ہیں، سوائے جامع مسجد کے''۔ انتہٰی۔ [1]

صاحبِ بدائع وغیرہ نے بھی اسی چیز کی تصریح کی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کی ایک روایت اور امام ابو یوسف کے قول کے مطابق شہر میں تعددِ جمعہ جائز ہی نہیں، امام ابو یوسف اپنے زمانے کے قاضی تھے، اور وہ بغداد جیسے شہر میں بھی درمیان میں، نہر ہونے کے باوجود، جب تک پُل کو جدا نہیں کر دیتے تھے، اس وقت تک تعددِ جمعہ کو جائز قرار نہیں دیتے تھے، اور اہلِ مرو نے جب، اس قول سے عدول کر کے، تعددِ جمعہ کے قول پر عمل کیا، تو ان میں اس کے جواز کے متعلق اختلاف ہوا، اور احتیاطُ الظہر کا مسئلہ شروع ہوا، جس سے معلوم ہوا کہ سابق زمانوں میں شہر کے اندر ایک ہی مقام پر جمعہ قائم ہوتا تھا، تعددِ

---

[1] أن الناس فی سائر الأعصار يغلقون المساجد يوم الجمعة (التجريد للقدوری، ج ۲، ص ۴۹۸، کتاب الصلاة، يكره للمعذور أن يصلی الظهر يوم الجمعة فی جماعة)

www.idaraghufran.org

جمعہ کا رواج نہیں تھا، اور امام محمد رحمہ اللہ کا یہ نوادرُ الروایۃ والا قول، ظاہر ہے کہ بہت پہلے کا ہے، اس زمانے میں تو شہروں میں تعددِ جمعہ کا تصور، بہت مشکل تھا۔

پس اس تفصیل کی روشنی میں جب سلطان کی اجازت سے، اس کا نمائندہ شہر میں ایک مرتبہ جمعہ پڑھادے، تو اصولی طور پر سلطان کو دوبارہ جمعہ پڑھنا جائز نہیں تھا، لیکن چونکہ مسئلہ مجتہَد فیہا ہے، امام محمد رحمہ اللہ، تعددِ جمعہ کے جواز کے قائل ہیں، اور سلطان میں صحتِ جمعہ کی شرط پائی جاتی ہے، اور سلطان نے عارضی طور پر دوسرے کو نائب بنا کر اہلِ شہر کو جمعہ پڑھانے کے لیے مقرر کیا ہے، ایسی صورت میں بھی جمعہ کے قیام کا اصل حق حکمران کا ہی ہے، اس صورت میں لوگوں کے جان لینے کی قید اس لیے ضروری ہوگی، تاکہ ایک تو تعددِ جمعہ کو قضائی حکم حاصل ہو کر، سب کے لیے رافعِ اختلاف بن جائے، دوسرے جمعہ کی حکمران کے ساتھ تخصیص نہ رہے، جو لوگوں کے جمعہ فوت ہونے کا سبب، یا اس کی طرف مفضی اور خود حکمران کے اپنے حق میں فیصلہ کرنے کی وجہ سے تہمت کا سبب ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی گئی۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ امام محمد کی ''کتابُ الاصل'' جو ''المبسوط'' کے نام سے معروف ہے، اس میں مذکور روایات کو ''ظاهرُ الروایات'' کہا جاتا ہے۔

اور دوسری ''المبسوط'' کے نام سے کتاب، شمس الائمہ سرخسی (المتوفیٰ 483ھ) کی ہے، جو دراصل شرح ہے، جس میں ظاہر الروایات کا التزام نہیں، اور اس میں بہت سے مسائل کے دلائل بھی شمس الأئمہ کی طرف سے بیان کردہ ہیں، جو امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے اپنے بیان کردہ نہیں، اس لیے وہ دلائل ''ظاهرُ الروایۃ'' نہیں کہلاتے۔

نیز یہ امر بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ شمس الائمہ سرخسی (المتوفیٰ 483ھ) کی ''المبسوط'' براہِ راست امام محمد رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 189ھ) کی کتب یا کسی کتاب کی شرح نہیں، بلکہ یہ دراصل محمد بن محمد بن احمد حاکم مروزی شہید (المتوفیٰ: 334ھ) کی کتاب ''الکافی'' کی

www.idaraghufran.org

شرح ہے، جس کو ''مختصرُ الکافی'' اور ''المختصر للحاکم'' بھی کہا جاتا ہے، اور ''الکافی'' میں حاکم شہید نے امام محمد (المتوفیٰ: 189ھ) کی کتابوں میں مذکور مسائل کا اختصار کیا تھا، اوران کے مکررات کو حذف کر دیا تھا۔ [1]

اس کے علاوہ بعض حضرات کی تصریح کے مطابق شمس الائمہ سرخسی نے ''المبسوط'' کو قید خانہ میں محبوس ہونے کی حالت میں قید خانے سے باہر بیٹھے ہوئے طلبہ کو املاء کروایا ہے، جس کی وجہ سے ان کی اس شرح میں کچھ فرق پیدا ہو گیا۔ [2]

شمس الائمہ سرخسی نے اپنی ''المبسوط'' کے شروع میں خود اس کی تصریح کی ہے۔

---

[1] ب – المختصرات: الكافى للحاكم الشهيد (ت334 .)
لا شك أن أهم الأعمال على الكتاب هو مختصر الأصل وكتب الإمام محمد الأخرى والمسمى بالكافى للحاكم الشهيد، ويسمى بالمختصر الكافى أو المختصر أيضا .يقول الحاكم فى مقدمة الكافى: " قد أودعت كتابى هذا معانى محمد بن الحسن –رحمه الله تعالى– فى كتبه المبسوطة وما فى الجوامع المؤلفة مع اختصار كلامه وحذف ما كرر من مسائله، قاصدا تسهيل سبيل الراغبين فى حفظه وتخفيف المؤنة عنهم فى كتابته وقرائته وحمله فى السفر والحضر . "والذى لاحظناه من الاطلاع على كتاب الكافى للحاكم أنه يختصر لفظ كتاب الأصل ويتخذه أساسا ثم يضيف إليه ما يراه مناسبا من كتب الإمام محمد الأخرى وأحيانا من كتب أبى يوسف، لكن الأساس هو كتاب الأصل والعبارة هى عبارة كتاب الأصل فى معظمها(الأصل للشيبانى، ص ١١٩ ،مقدمة المحقق للدكتور محمَّد بوينو كالن)

[2] محمد بن أحمد بن أبى سهل أبو بكر السرخسى تكرر ذكره فى الهداية الإمام الكبير شمس الأئمة صاحب المبسوط وغيره أحد الفحول الأئمة الكبار أصحاب الفنون كان إماما علامة حجة متكلما فقيها أصوليا مناظرا لزم الإمام شمس الأئمة أبا محمد عبد العزيز الحلوانى حتى تخرج به وصار أنظر أهل زمانه وأخذ فى التصنيف وناظر الأقران فظهر اسمه وشاع خبره أملأ المبسوط نحو خمسة عشر مجلدا وهو فى السجن بأوزجند محبوس(الجواهر المضية فى طبقات الحنفية،لعبد القادر بن محمد بن نصر الله القرشى، أبو محمد، محيى الدين الحنفى ، ج٢ص ٢٨، حرف الميم، تحت رقم الترجمة ٨٥)

صنف رحمه الله كتاب المبسوط (وهو كتابنا هذا) فى الفقه ، فى نحو خمسة عشر مجلدا املاءً من خاطره من غير مطالعة كتاب ولا مراجعة تعليق، بل كان محبوسا فى الجب بسبب كلمة نصح بها، وكان يملى على الطلبة من الجب، وهم على أعلى الجب يكتبون ما يملى عليهم (المبسوط للسرخسى، ج ١ ص ٤٨، مقدمة التحقيق ، للكتور كمال عبدالعظيم العنانى ''استاذ بكلية الشريعة ، جامعة الازهر، القاهرة، مطبوعة : دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ 2001ء)

www.idaraghufran.org

چنانچہ شمس الائمہ سرخسی نے ''المبسوط'' کے ''خطبةُ الکتاب'' میں فرمایا کہ:

''امام محمد رحمہ اللہ (المتوفی: 189ھ) نے اپنی کتاب ''المبسوط'' میں ان کی کتب میں مذکور مختلف مسائل کو لوگوں کی آسانی کے لیے جمع کر دیا تھا، تاکہ لوگوں کو ان مسائل کا محفوظ کرنا آسان ہو جائے۔

یہ سلسلہ (تقریباً ڈیڑھ صدی تک) اسی طرح چلتا رہا، یہاں تک کہ حاکم شہید (المتوفی: 334ھ) نے یہ محسوس کیا کہ امام محمد کی ''المبسوط'' میں الفاظ کے وسیع اور مسائل کے مکرر ہونے کی وجہ سے، بعض متعلمین اس کتاب کی قرائت سے اعراض کرتے ہیں، تو حاکم شہید نے امام محمد کی کتابوں میں مذکور مبسوط مسائل کے معانی ومطالب کو مکررات حذف کر کے جمع کر دیا۔

(شمس الائمہ سرخسی، المتوفی 483ھ، فرماتے ہیں کہ) پھر میں نے اپنے زمانے میں، بعض فقہ کے طالبین کو اس سے چند وجوہات کی بناء پر اعراض کرتے ہوئے دیکھا، اس لیے حاکم شہید کی ''المختصر'' کی شرح کی ضرورت محسوس کی، اور میرے قید ہونے کے زمانے میں بعض خواص نے مجھ سے جو سوالات کیے، اور میں نے ان کو جوابات املاء کرائے، وہ بھی اس کتاب میں شامل کر لیے گئے''۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] (ومن) فرغ نفسه لتصنيف ما فرعه أبو حنيفة – رحمه الله – محمد بن الحسن الشيبانى – رحمه الله – فإنه جمع المبسوط لترغيب المتعلمين والتيسير عليهم ببسط الألفاظ وتكرار المسائل فى الكتب ليحفظوها شائوا أو أبوا.

إلى أن رأى الحاكم الشهيد أبو الفضل محمد بن أحمد المروزى – رحمه الله – إعراضا من بعض المتعلمين عن قراءة المبسوط لبسط فى الألفاظ وتكرار فى المسائل فرأى الصواب فى تأليف المختصر بذكر معانى كتب محمد بن الحسن – رحمه الله – المبسوطة فيه وحذف المكرر من مسائله ترغيبا للمقتبسين ونعم ما صنع .

(قال الشيخ الإمام) – رحمه الله تعالى – ثم إنى رأيت فى زمانى بعض الإعراض عن الفقه من الطالبين لأسباب: فمنها قصور الهمم لبعضهم حتى اكتفوا بالخلافيات من المسائل الطوال، ومنها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال یہ بات واضح ہوگئی کہ علامہ سرخسی نے نوادر کے جس جزئیہ سے اِذنِ عام کی شرط کو اخذ کیا ہے، وہ جزئیہ امام وحکمران سے متعلق ہے، اوراس کی وجہ اور علت خود علامہ سرخسی نے جوذکر فرمائی ہے، وہ اِذنِ عام کی شرط کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی وافی ہے، اوراس میں کوئی ابہام نہیں، اگرچہ مشائخِ حنفیہ میں سے کسی دوسرے نے اس کی دوسری توجیہ وتعلیل کیوں نہ بیان کی ہو۔

ہمارے نزدیک علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کی توجیہ علامہ سرخسی کی بیان کردہ علت اور حکمران کے حکمِ قضاء لنفسہٖ ولغیرہٖ کے اہم اصول کے مطابق ہے، جیسا کہ گزرا، اور مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

''المحیطُ البرھانی'' کا حوالہ

ابوالمعالی برہان الدین محمود بن احمد ابن مازۃ بخاری حنفی (المتوفیٰ:616ھ) کی ''المحیطُ البرھانی'' میں ہے کہ:

> ''امام محمد کے نزدیک، شہر میں دو یا تین مقامات پر جمعہ کی نماز میں حرج نہیں، اور امام ابو یوسف نے دو مقامات پر ہی جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، اوراَمالی کی روایت میں امام ابو یوسف نے دو مقامات پر اس وقت جائز قرار دیا ہے، جبکہ شہر کی دو جانب اس طرح کی ہوں کہ ان کے درمیان بڑی نہر ہو، تاکہ وہ دو شہروں کا حکم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ترک النصیحة من بعض المدرسین بالتطویل علیهم بالنکات الطردیة التی لا فقه تحتها، ومنها تطویل بعض المتکلمین بذکر ألفاظ الفلاسفة فی شرح معانی الفقه وخلط حدود کلامهم بها .
(فرأیت) الصواب فی تألیف شرح المختصر لا أزید علی المعنی المؤثر فی بیان کل مسألة اکتفاء بما هو المعتمد فی کل باب، وقد انضم إلی ذلک سؤال بعض الخواص من زمن حبسی، حین ساعدونی لأنسی، أن أملی علیهم ذلک فأجبتهم إلیه .
(وأسأل) الله – تعالی – التوفیق للصواب، والعصمة عن الخطأ وما یوجب العقاب، وأن یجعل ما نویت فیما أملیت سببا لخلاصی فی الدنیا ونجاتی فی الآخرة إنه قریب مجیب(المبسوط للسرخسی، ج ا ص ۳،۴، خطبة الکتاب)

www.idaraghufran.org

حاصل کرلیں، جیسا کہ بغداد، اور اگر وہ شہر اس صفت کا نہ ہو، تو جمعہ ان لوگوں کا درست ہوگا، جنہوں نے پہلے پڑھا، اور اگر وہ ایک ساتھ پڑھیں، تو ان سب کی نمازِ جمعہ فاسد ہوجائے گی‘‘۔انتھٰی۔ [1]

اور’’المحیطُ البرھانی‘‘میں ہی ہے کہ:

حاکم نے’’المنتقی‘‘ میں ذکر کیا ہے کہ اگر امیر نے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم کیا، اور خود اپنی ضرورت سے چلا گیا، پھر وہ امیر شہر میں واپس آیا، اور کسی مسجد میں داخل ہوکر، جمعہ پڑھ لیا، تو اس کا جمعہ جائز نہیں ہوگا۔

مگر اسی صورت میں جائز ہوگا کہ جب تمام لوگ اس کے جمعہ پڑھنے کو جان لیں، ایسی صورت میں یہ دومقامات پر جمعہ پڑھنے کی طرح ہوجائے گا۔

اور اگر امام جمعہ کے دن استسقاء کے لیے نکلا، جس کے ساتھ بہت سے لوگ نکلے، اور اس نے اپنے پیچھے ایک شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کے لیے چھوڑ دیا، پھر جب جمعہ کا وقت آیا، تو اس امیر نے لوگوں کو عیدگاہ میں جمعہ کی نماز پڑھادی، اور وہ عیدگاہ شہر سے ایک غلوہ کے فاصلے پر تھی، اور اس امیر کے نائب نے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھادی، تو دونوں کی نماز درست ہوجائے گی، اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عیدگاہ میں نمازِ جمعہ جائز ہے‘‘۔انتھٰی۔ [2]

---

[1] ولا بأس بالجمعة فی موضعین أو ثلاثة من مصر واحد عند محمد، وأجاز أبو یوسف فی موضعین دون الثلاث، وفی روایة الأمالی :أجاز فی موضعین إذا کان مصرا له جانبان بینهما نهر عظیم حتی یصیر فی حکم مصرین کبغداد، فإن لم یکن المصر بهذه الصفة فالجمعة لمن سبق منهم بأدائها فإن فعلوا معا، فسدت صلاتهم جمیعا(المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲، ص۶۶، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة)

[2] ذکر الحاکم فی المنتقی :مرسلا أمیر أمر إنسانا أن یصلی بالناس الجمعة فی المسجد الجامع وانطلق إلی حاجة له، ثم دخل المصر ودخل بعض المساجد وصلی الجمعة لا یجزئه إلا أن یکون علم الناس بذلک کله، فهذا کالجمعة فی موضعین وإنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اسی طرح کی عبارت پیچھے علامہ سرخسی کی طرف سے بھی حاکم شہید کی ''المنتقیٰ'' کے حوالے سے گزر چکی ہے، اور اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس صورت میں امام کے ساتھ بڑا مجمع ''استسقاء'' کی غرض سے موجود ہے، اس صورت میں امام کا عیدگاہ میں نماز پڑھنا، لوگوں کو علم ہونے اور جمعہ میں شریک ہونے کی وجہ سے، جمعہ کو اپنے ساتھ خاص رکھنے، اور لوگوں کا جمعہ فوت ہونے اور امام کے لیے تہمت کا سبب نہیں بنتا۔

برخلاف اس صورت کے، جبکہ خاص امام اپنی ضرورت سے شہر سے باہر گیا ہو کہ اس صورت میں اعلانِ عام کے بغیر، جمعہ کی اس کے ساتھ تخصیص برقرار رہتی ہے، اور یہ تخصیص دوسروں کے لیے جمعہ فوت ہونے کا سبب بنتی ہے، اگرچہ اس خاص صورت میں نہ بنے، لیکن وہ شرط بہرحال امام وحکمران کے لئے فی الجملہ ضروری ہے، نیز اعلانِ عام کے بغیر اس کے جمعہ پڑھنے کا فیصلہ اپنے حق میں ہے، جو کہ درست نہیں، اور اعلانِ عام کے بعد وہ فیصلہ رعایا کے لیے ہے، جس میں امام پر تہمت نہیں آتی، اس لیے امام کو جمعہ کے اپنے لیے خاص رکھنے کی صورت میں بہرحال اس کے جمعہ کو درست قرار نہیں دیا گیا، اور جب اس کو اعلانِ عام کا پابند کر دیا گیا، تو اس کے لیے جمعہ کی تخصیص برقرار نہیں رہی، جس طرح تعددِ جمعہ کے باضابطہ اعلان کے بعد بھی برقرار نہیں رہتی ''کما قاله الشرنبلالی و الشامی''

''المحیطُ البرهانی'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

''جمعہ جائز ہونے کے لیے اذنِ عام بھی شرط ہے کہ جمعہ قائم ہونے والی جگہ کے دروازے کھول دیئے جائیں (جب کسی عمارت کے اندر جمعہ ہو، خواہ وہ مسجد ہو، یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جائز به ورد الأثر عن علي رضي الله عنه، وإن خرج الإمام يوم الجمعة للاستسقاء، وخرج معه ناس كثير وخلف إنسانا يصلي بهم الجمعة في المسجد الجامع، فلما حضرت الصلاة صلى بهم الجمعة في الجبانة، وهو على غلوة من المصر وصلى خليفته في المسجد الجامع يجزئهما، ودلت المسألة على أن الجمعة في الجبانة جائزة(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲،ص ۹۵، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

قلعہ ہو، یا کوئی دوسری عمارت ہو) اور تمام لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

اگر کچھ لوگوں نے کسی جگہ جمع ہوکر، جمعہ کی نماز اس طرح پڑھی کہ دروازوں کو بند کرلیا، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا، اور اسی طریقے سے اگر سلطان نے اپنے حشم وخدم کو اپنے گھر میں جمع کر کے جمعہ پڑھا، تو اگر اس گھر کا دروازہ کھول دیا، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازتِ عام دے دی، تو اس کی نمازِ جمعہ جائز ہوگی، خواہ عامۃُ الناس، جمعہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں، اور اگر گھر کا دروازہ نہیں کھولا، اور اس کے تمام دروازے بند کردیئے، اوران پر چوکیداروں کا پہرہ بٹھادیا، تاکہ وہ لوگوں کو اندر داخل ہونے سے روکیں، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا۔

”لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، ولا يحصل ذلک إلا بالإذن العام وكما يحتاج العام إلى السلطان لإقامة الجمعة فالسلطان أيضا يحتاج إلى العام بأن يأذن لهم إذنا عاما حتى تجوز صلاة الكل بهذا النظر من الجانبين“

”کیونکہ جمعہ کے لیے سلطان کی شرط اس لیے تھی، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہوجائے، اور یہ بات اذنِ عام کے بغیر حاصل نہیں ہوگی، اور جس طرح عوام جمعہ قائم کرنے کے لیے سلطان کے محتاج ہوتے ہیں، اسی طرح سلطان بھی عوام کا محتاج ہوگا کہ وہ لوگوں کو اجازتِ عام دے دے، تاکہ اس طرزِ عمل کے ذریعے جانبین کی رعایت ہوکر دونوں کی نمازِ جمعہ جائز ہوجائے“۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] والشرط السادس :الإذن العام، وهو أن تفتتح أبواب الجامع، ويؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا فى الجامع وأغلقوا الأبواب على أنفسهم وجمعوا لم يجزئهم ذلک وكذلک إذا أراد السلطان أن يجمع بحشمه فى داره، فإن فتح باب الدار، وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدها العامة أو لم يشهدوها، وإن لم يفتح باب الدار وأغلق الأبواب كلها، وأجلس عليها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت میں ''اذنِ عام'' کی شرط کا ذکر ہے، ساتھ ہی مذکورہ عبارت میں سلطان کے دروازہ بند کرکے نمازِ جمعہ کے نادرست ہونے کی ان ہی الفاظ میں تصریح ہے، جن الفاظ میں سرخسی کے حوالے سے گزری۔

مذکورہ عبارت سے بھی ''اِذنِ عام'' کے امام وحکمران کے لیے شرط ہونے کی حقیقت اوراس کی دلیل معلوم ہوگئی۔

اور چونکہ اس زمانے میں جمعہ، شہر میں ایک مقام پر ہی سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی میں ہوتا تھا، اس لیے جہاں مطلق جماعت کے جمعہ پڑھنے کا ذکر ہے، وہ بھی اسی صورت کے ساتھ مقید ہے۔

''تحفةُ الفقهاء'' کا حوالہ

علامہ سمرقندی (المتوفی: 540ھ) کی ''تحفةُ الفقهاء'' میں ہے کہ:

جمعہ کی جو شرائط ظاہرُ الروایت میں ذکر کی گئی ہیں، وہ پانچ ہیں، یعنی مصرِ جامع، اور سلطان، اور جماعت، اور خطبہ، اور وقت، اور ایک شرط نوادرُ الصلاۃ میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ جمعہ کی ادائیگی، اشتہار کے طریقہ پر ہو، یہاں تک کہ اگر امیرِ مصر نے اپنے لشکر کو قلعہ میں جمع کرلیا، اور دروازے بند کرلیے، اور لوگوں کو جمعہ پڑھا دیا، تو اُن کے لئے جائز نہیں ہوگا، اور اگر قلعہ کا دروازہ کھول دیا، اور عام لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البوابين ليمنعوا الناس عن الدخول لم تجزئهم الجمعة؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، ولا يحصل ذلك إلا بالإذن العام وكما يحتاج العام إلى السلطان لإقامة الجمعة فالسلطان أيضا يحتاج إلى العام بأن يأذن لهم إذنا عاما حتى تجوز صلاة الكل بهذا النظر من الجانبين(المحيط البرهاني فى الفقه النعماني، ج ۲،ص ۸۵، كتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

دے دی، تو پھر اس کا جمعہ جائز ہوگا۔ انتھیٰ۔ [1]

مذکورہ عبارت میں جمعہ کی نماز کے اشتہار کے طریقے پر ہونے کی شرط کو ''نوادرُ الصلاۃ'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور پھر امیرِ مصر کے دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ کی مثال پیش کی گئی ہے، جو بظاہر تعددِ جمعہ کے بغیر صرف ایک جگہ امیر کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا کیے جانے کی صورت ہے، جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں، اور مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

''بدائعُ الصنائع'' کا حوالہ

ابوبکر بن مسعود کاسانی (المتوفی: 587ھ) نے علامہ سمرقندی کی ''تحفۃُ الفقھاء'' کی شرح ''بدائعُ الصنائع'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے، جس میں انہوں نے اصل متن کو شرح کے ساتھ اس طرح داخل کر دیا ہے کہ دونوں کے درمیان تمیز باقی نہیں رہی، اور ترتیب کو بھی اپنی طرف سے منتخب کیا ہے، اور انہوں نے بعض مسائل میں ماتن سے اختلاف بھی کیا ہے، جس کی متعلقہ مقامات پر تصریح کا التزام نہیں کیا، نیز انہوں نے اپنی اس شرح میں متعدد مسائل اور دلائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔

ابوبکر بن مسعود کاسانی نے ''بدائعُ الصنائع'' میں فرمایا کہ:

> اور ایک شہر میں دو جگہ جمعہ کو قائم کرنے کے بارے میں کرخی نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام محمد کے نزدیک دو، یا تین جگہ جمعہ قائم کرنے میں حرج نہیں۔
>
> اور امام ابو یوسف سے دو روایتیں مروی ہیں، ایک روایت کے مطابق جب دو جگہ

---

[1] وأما الشرائط التی لیست من صفات المصلی فستة أیضا خمسة ذکرها فی ظاهر الروایة وهی المصر الجامع والسلطان والجماعة والخطبة والوقت والسادس ذکره فی نوادر الصلاة وهو أن یکون أداء الجمعة بطریق الاشتهار حتی إن أمیرا لو جمع جنوده فی الحصن وأغلق الأبواب وصلی بهم الجمعة فإنه لا یجزئهم وإن فتح باب الحصن وأذن للعامة فیه بالدخول جاز (تحفة الفقهاء، ج ۱، ص ۱۶۲، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

جمعہ قائم کرنے والی جگہوں کے درمیان بڑی نہر حائل ہو، جیسا کہ دجلہ وغیرہ، تو پھر یہ دوشہروں کے درجہ میں ہو جائیں گے۔

اورایک قول یہ ہے کہ اسی صورت میں دوجگہ جمعہ جائز ہوگا، جبکہ نہر پر پُل نہ ہو، لیکن اگر پُل ہوتو جائز نہیں ہوگا، اس صورت میں اس کو ایک ہی شہر کا حکم حاصل ہوگا، اور امام ابویوسف جمعہ کے دن پُل کو کاٹنے کا حکم دیتے تھے، تاکہ اُن دونوں اطراف کا ایک دوسرے سے تعلق منقطع ہوجائے، اوردونوں حصے دوشہروں کے حکم میں داخل ہوجائیں۔

اورایک روایت کے مطابق دومقامات پر اس وقت جمعہ جائز ہے، جبکہ بڑا شہر ہو، اور تین مقامات میں جائز نہیں۔

اوراگر درمیان میں چھوٹی نہر ہو، تب بھی دومقامات پر جمعہ جائز نہیں۔

پھر اگر وہ دومقامات پر جمعہ ادا کریں، تو پہلے والوں کا جمعہ صحیح ہوجائے گا، اور دوسرے والوں کوظہر کی نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا۔

اوراگر وہ دونوں ایک وقت میں ادا کریں، یا پہلے ادا کرنے والوں کا پتہ نہ چل سکے، تو اُن میں سے کسی کی نماز بھی جائز نہیں ہوگی۔

اور امام محمد نے، امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ جمعہ دو، یا تین یا اس سے زیادہ مقامات پر جائز ہے (لیکن پیچھے ابنِ کمال باشا اور علامہ شلبی وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ تین سے زیادہ مقامات کی روایت کا کوئی وجود نہیں، اور امام ابوحنیفہ سے تعددِ جمعہ کی مطلقاً مخالفت بھی مروی ہے، جس کو بعض نے اظہر وراجح قرار دیا ہے، اور ابتداءِ اسلام سے لے صدیوں تک شہروں میں ایک ہی جگہ جمعہ کے قیام کا رواج رہا ہے)

اور امام محمد نے نوادرُ الصلاۃ میں ذکر کیا ہے کہ اگر امیرِ مصر نے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم کیا، اور خود اپنی ضرورت سے چلا گیا، پھر وہ امیر شہر میں

واپس آیا، اور کسی مسجد میں داخل ہوکر، جمعہ پڑھ لیا، تو جامع مسجد والوں کا جمعہ جائز ہوجائے گا، اور اس کا اپنا جمعہ جائز نہیں ہوگا، مگر اسی صورت میں جائز ہوگا کہ جب تمام لوگ اس کے جمعہ پڑھنے کو جان لیں، ایسی صورت میں یہ دو مقامات پر جمعہ پڑھنے کی طرح ہوجائے گا۔

اور امام محمد نے نوادرُ الصلاۃ میں یہ بھی فرمایا کہ اگر امام جمعہ کے دن استسقاء کی دعاء کے لیے نکلا، جس کے ساتھ بہت سے لوگ نکلے، اور اس نے اپنے پیچھے ایک شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کے لیے چھوڑ دیا، پھر جب جمعہ کا وقت آیا، تو اس امیر نے لوگوں کو عیدگاہ میں جمعہ کی نماز پڑھادی، اور وہ عیدگاہ شہر سے ایک غلوہ کے فاصلے پر تھی، اور اس امیر کے نائب نے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھادی، تو دونوں کی نماز درست ہوجائے گی، اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ظاہرُ الروایۃ کے مطابق دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، اور اسی پر اعتماد ہے کہ دو مقامات پر جائز ہے، اور دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن، عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، اور پیچھے ضعیف لوگوں کو عید کی نماز پڑھانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ جایا کرتے تھے، اور جب ایسا کرنا عید کی نماز میں جائز ہے، تو جمعہ کی نماز میں بھی جائز ہے، کیونکہ یہ دونوں نمازیں شہر کی خصوصیت میں برابر ہیں۔

اور دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں۔

اور امام محمد سے جو تین مقامات پر جواز مروی ہے، وہ حاجت اور ضرورت کے موقع پر محمول ہے۔ انتھٰی۔ [1]

---

[1] وأما إقامة الجمعة في مصر واحد في موضعين فقد ذكر الكرخي أنه لا بأس بأن يجمعوا في موضعين أو ثلاثة عند محمد هكذا ذكر وعن أبي يوسف روايتان في رواية قال :لا يجوز إلا إذا كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت میں بھی امام محمد کی نوادر کے حوالے سے امیرِ مصر کے دوسرا جمعہ پڑھنے کی وہی دو مثالیں، ذکر کی گئی ہیں، جو پہلے گزریں، ساتھ ہی دونوں جگہ جمعہ جائز ہونے سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ شہر میں دوجگہ جمعہ جائز ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ دوسری جگہ جمعہ پڑھنے کے یہ دونوں جزئیات، اس صورت سے متعلق ہیں، جس میں اس واقعہ سے قبل ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا، اور امام ابوحنیفہ سمیت ایک جگہ جمعہ کا جواز متفق علیہ ہے، اس میں حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کا بھی اختلاف نہیں۔

پس ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ جائز ہونے کے لیے، جو کہ اجتہادی مسئلہ ہے، اس کو قضاء کا درجہ دینے کے لئے ضروری ہوگا کہ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار ہو، تا کہ نہ تو جمعہ کی امیر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بين موضعى الإقامة نهر عظيم كدجلة أو نحوها فيصير بمنزلة مصرين، وقيل :إنما تجوز على قوله إذا كان لا جسر على النهر فأما إذا كان عليه جسر فلا؛ لأن له حكم مصر واحد وكان يأمر بقطع الجسر يوم الجمعة حتى ينقطع الفصل، وفي رواية قال :يجوز فى موضعين إذا كان المصر عظيما ولم يجز فى الثلاث وإن كان بينهما نهر صغير لا يجوز فإن أدوها فى موضعين فالجمعة لمن سبق منهما وعلى الآخرين أن يعيدوا الظهر، وإن أدوها معا أو كان لا يدرى كيف كان لا تجوز صلاتهم وروى محمد عن أبى حنيفة أنه يجوز الجمع فى موضعين أو ثلاثة أو أكثر من ذلك.

وذكر محمد فى نوادر الصلاة، وقال :لو أن أميرا أمر إنسانا أن يصلى بالناس الجمعة فى المسجد الجامع وانطلق هو إلى حاجة له ثم دخل المصر فى بعض المساجد وصلى الجمعة قال :تجزء أهل المصر الجامع ولا تجزئه إلا أن يكون أعلم الناس بذلك فيجوز وهذا كجمعة فى موضعين.

وقال أيضا :لو خرج الإمام يوم الجمعة للاستسقاء يدعو وخرج معه ناس كثير وخلف إنسانا يصلى بهم فى المسجد الجامع فلما حضرت الصلاة صلى بهم الجمعة فى الجبانة وهى على قدر غلوة من مصره وصلى خليفته فى المصر فى المسجد الجامع قال :تجزئهما جميعا فهذا يدل على أن الجمعة تجوز فى موضعين فى ظاهر الرواية وعليه الاعتماد أنه تجوز فى موضعين، ولا تجوز فى أكثر من ذلك فإنه روى عن على -رضى الله عنه- أنه كان يخرج إلى الجبانة فى العيد ويستخلف فى المصر من يصلى بضعفة الناس وذلك بمحضر من الصحابة -رضى الله عنهم- ولما جاز هذا فى صلاة العيد فكذا فى صلاة الجمعة؛ لأنهما فى اختصاصهما بالمصر سيان ولأن الحرج يندفع عند كثرة الزحام بموضعين غالبا فلا يجوز أكثر من ذلك، وما روى عن محمد من الإطلاق فى ثلاثة مواضع محمول على موضع الحاجة والضرورة(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ١، ص ٢٦٠، ٢٦١، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، فصل بيان شرائط الجمعة)

کے لیے تخصیص رہے، اور نہ ہی امیر کا یہ طرزِ عمل، لوگوں کے جمعہ کے فوت ہونے اور اسی کے اپنے حق میں فیصلہ کرنے کا سبب بنے، تو جس صورت میں لوگوں کو علم نہ ہوا، اس صورت میں ان کو آگاہ کرنا ضروری قرار دیا گیا، اسی جزئیہ سے اِذنِ عام کی شرط کو اخذ کیا گیا ہے۔

''بدائعُ الصنائع''میں آگے چل کر مندرجہ ذیل عبارت ہے:

وذكر في النوادر شرطا آخر لم يذكره في ظاهر الرواية وهو أداء الجمعة بطريق الاشتهار حتى إن أميرا لو جمع جيشه في الحصن وأغلق الأبواب وصلى بهم الجمعة لا تجزئهم كذا ذكر في النوادر، فإنه قال: السلطان إذا صلى في فهندرة والقوم مع أمراء السلطان في المسجد الجامع قال: إن فتح باب داره وأذن للعامة بالدخول في فهندرة جاز وتكون الصلاة في موضعين ولو لم يأذن للعامة وصلى مع جيشه لا تجوز صلاة السلطان وتجوز صلاة العامة.

وإنما كان هذا شرطا؛ لأن الله تعالى شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله (يا أيها الذين آمنوا إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله) والنداء للاشتهار ولذا يسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور إذنا عاما تحقيقا لمعنى الاسم والله أعلم (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ا، ص ۲۶۹، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، فصل بيان شرائط الجمعة)

ترجمہ: نوادر میں ایک دوسری شرط بھی مذکور ہے، جو ظاہرُ الروایۃ میں مذکور نہیں، اور وہ جمعہ کو اشتہار کے طریقہ پر ادا کرنے کی ہے، یہاں تک کہ اگر امیر نے اپنے

www.idaraghufran.org

لشکر کو قلعہ میں جمع کرلیا، اور دروازوں کو بند کرلیا، اور جمعہ کی نماز اپنے لشکر کے ساتھ پڑھ لی، تو ان کی نمازِ جمعہ جائز نہیں ہوگی، نوادر میں اسی طرح مذکور ہے۔

کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ سلطان جب اپنے محل میں نماز پڑھ لے، اور باقی لوگ سلطان کے امراء کے ساتھ جامع مسجد میں نماز پڑھ لیں، تو اگر سلطان اپنے گھر کے دروازہ کو کھول دے، اور عام لوگوں کے لئے اپنے محل میں داخل ہونے کی اجازت دے دے، تو جائز ہے، اور جمعہ کی نماز دو مقامات پر ہو جائے گی۔

اور اگر سلطان عامۃُ الناس کو اجازت نہ دے، اور اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھ لے، تو سلطان کی نماز جائز نہیں ہوگی، اور دوسرے لوگوں کی نماز جائز ہو جائے گی۔

اور اشتہار کے طریقہ پر جمعہ کو ادا کرنا اس لئے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمازِ جمعہ کے لئے اذان کو مشروع فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر اللہ“ اور اذان اشتہار کے لئے ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے اس کا نام جمعہ ہے، کیونکہ اس میں (شہر کی) تمام جماعتیں جمع ہو جاتی ہیں، لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہوا کہ تمام جماعتوں کو حاضر ہونے کی اجازتِ عام بھی دی جائے، تاکہ اس کے نام کے معنیٰ متحقق ہو جائیں۔ واللہ أعلم (بدائع)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ کاسانی، شہر میں دو مقامات تک جمعہ کے جواز کو راجح سمجھتے ہیں۔

اور علامہ کاسانی نے اوپر ”نوادر“ کے حوالے سے، جس روایت کا ذکر فرمایا ہے، ہمیں ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کا کہیں ثبوت، اور وجود نہیں ملا، نہ ہی اس کتاب کے متن یعنی ”تحفۃُ الفقہاء“ میں اس کا ذکر ہے، اور نہ ہی کسی دوسری کتاب میں اس کا ذکر دستیاب ہوا۔ و من ادّعیٰ فعلیه البیان۔

جبکہ نوادر کی روایت کو بغیر ثبوتِ معتبر کے فقہاء نے تسلیم کرنے میں تحفظ کا اظہار فرمایا ہے۔[1]
اور ہمارے خیال میں صاحبِ بدائع کی طرف سے ''نوادر'' کی جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ وہی روایت ہے، جو اس سے پہلی عبارت میں امیرِ مصر کے اعلان کے بغیر جمعہ پڑھنے کی ذکر کی گئی، کیونکہ اذنِ عام کی شرط کو صاحبِ بدائع سے پہلے شمس الائمہ سرخسی نے اور ان کے بعد دیگر حضرات نے اسی نوادر کی روایت و جزئیہ سے لیا ہے، اور غالباً علامہ کاسانی نے اس کو روایت بالمعنیٰ کے طور پر ذکر کیا ہے، جس میں فقہاء کے مابین توسع موجود ہے۔
بہرحال اس موقع پر علامہ کاسانی نے امام و حکمران کے اِذنِ عام کے بغیر اس کی نمازِ جمعہ جائز نہ ہونے کی اس علت کو ذکر نہیں کیا، جس کو علامہ سرخسی اور صاحبِ **المحیطُ البرھانی** وغیرہ نے ذکر کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، جس سے حکمران کے اِذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ کے جائز نہ ہونے کی حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔
لیکن اس کے بجائے صاحبِ بدائع نے ایک ایسی دلیل کو ذکر فرما دیا ہے، جو ایک تو خود سے مخدوش قرار دی گئی ہے۔
اور دوسرے اس دلیل کی رو سے اِذنِ عام کی شرط کی وہ حقیقت بعض اہلِ علم حضرات کی

---

[1] مسائل النوادر، وهى المروية عن أصحابنا المذكورين لكن لا فى الكتب المذكورة، بل إما فى كتب أخر لمحمد كالكيسانيات والهارونيات والجرجانيات والرقيات، وإنما قيل لها غير ظاهر الرواية؛ لأنها لم ترو عن محمد بروايات ظاهرة ثابتة صحيحة كالكتب الأولى، وإما فى كتب محمد كالمحرر للحسن بن زياد وغيره ومنها كتب الأمالى المروية عن أبى يوسف. والأمالى: جمع إملاء، وهو ما يقوله العالم بما فتح الله تعالى عليه من ظهر قلبه ويكتبه التلامذة وكان ذلك عادة السلف، وإما برواية مفردة كرواية ابن سماعة والمعلى بن منصور وغيرهما فى مسائل معينة (رد المحتار، ج ١، ص ٦٩، تحت المقدمة)

فعلى هذا لو وجد بعض نسخ النوادر فى زماننا لا يحل عزو ما فيها إلى محمد ولا إلى أبى يوسف؛ لأنها لم تشتهر فى عصرنا فى ديارنا، ولم تتداول نعم إذا وجد النقل عن النوادر مثلا فى كتاب مشهور معروف كالهداية والمبسوط كان ذلك تعويلا على ذلك الكتاب (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ٦، ص ٢٨٩، كتاب القضاء)

www.idaraghufran.org

نظروں سے مخفی رہ جاتی ہے، جو سرخسی وغیرہ کے حوالے سے ذکر کی گئی ہے، اور اس کا ایک دوسرا ایسا عمومی پہلو ظاہر ہوتا ہے، جو بہت سے اصحابِ علم کے لئے غلط فہمی کا باعث بنتا ہے۔

علامہ کاسانی نے جو استدلال فرمایا ہے، اسی کو علامہ ابنِ ہمام نے بھی مختصراً نقل کیا ہے۔ [1]

لیکن محققین نے اس استدلال سے اتفاق نہیں فرمایا۔

چنانچہ علامہ لکھنوی نے ''عمدةُ الرعاية'' میں اِذنِ عام کے لئے قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے استدلال کے بارے میں فرمایا کہ ''وفيه نظر، لايخفىٰ''۔ [2]

اور ''التفسيرُ المظهرى'' میں ہے کہ:

''جمہور علماء اذنِ عام کو شرط قرار نہیں دیتے، اور ابنِ ھمام وغیرہ کا قرآن مجید کی سورہ جمعہ کی آیت سے اِذنِ عام کے شرط ہونے پر استدلال ضعیف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اذان کو جمعہ کی سعی واجب ہونے کا سبب قرار دیا ہے، لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اذان، جمعہ کی ادائیگی کے لئے شرط ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وإذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا" یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی قراءت کے وقت سُننا اور خاموش رہنا واجب ہے، لیکن یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ سُننا اور خاموش رہنا، قراءت جائز ہونے کے لئے شرط ہے کہ اگر مقتدی، نماز یا خطبہ کے دوران قرائت کرے، تو

---

[1] وشرائط فى غيره :المصر، والجماعة، والخطبة، والسلطان، والوقت، والإذن العام، حتى لو أن واليا أغلق باب بلد وجمع بحشمه وخدمه، ومنع الناس من الدخول لم تجز أخذا من إشارة قوله تعالى (نودى للصلاة)فإنه أى تشهير(فتح القدير، ج۲،ص ۵۰، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

[2] قوله :والأذن العام؛ هذا الشرط لم يذكر فى الهداية، ولا أثر له فى ظاهر الرواية، وإنما هو مذكور فى النوادر ومشى عليه أصحاب المتون، واستبط من قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله، فإن النداء للاشتهار، وفيه نظر لا يخفى(عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج۳ص ۶۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

امام کی قرائت اور خطبہ ہی جائز نہ ہو"۔انتھٰی۔ ؎١

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک اِذنِ عام شرط نہیں، اور حنفیہ کی ظاہرُ الروایۃ میں بھی اس شرط کا ذکر نہیں۔

البتہ نوادر کے ایک جزئیہ سے اس کا شرط ہونا معلوم ہوتا ہے، وہ بھی امام وحکمران کے لیے ایک خاص وجہ سے، جیسا کہ گزرا۔

اور اِذنِ عام کی شرط پر سورہ جمعہ کی مذکورہ آیت سے استدلال ضعیف ہے۔

جس کی وجہ صاحبِ تفسیرِ مظہری نے بیان فرمادی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس آیت سے جمہور نے اِذنِ عام کی شرط پر استدلال نہیں کیا، اگر مذکورہ آیت سے یہ استدلال قوی ہوتا، تو جمہور علماء کی نظر سے یہ استدلال مخفی رہنا مشکل تھا۔

جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے اذان کا ہونا، یا بلند آواز سے ہونا شرط ہے ہی نہیں، تو اس سے استدلال کر کے جمعہ صحیح ہونے کے لئے کسی دوسری شرط پر کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اذان تو نمازِ پنجگانہ کے لئے بھی بطریقِ اشتہار مشروع ہے، لیکن اس کی ادائیگی کے لئے بھی تشہیر، بلکہ اذان کا ہونا، شرط نہیں، جبکہ "سعی" تو نمازِ پنجگانہ کی اذان پر بھی واجب ہوتی ہے۔ ؎٢

؎١ (مسئله) يشترط عند ابى حنيفة رح لاداء الجمعة الاذن العام حتى لو ان واليا اغلق باب بلد وجمع بحشمه ومنع الناس من الدخول لا يصح الجمعة عنده خلافا لجمهور العلماء احتج ابن همام فى هذه المسألة باشارة قوله تعالى نودى للصلوة فان النداء يقتضى الاذن وهذا الاستدلال ضعيف فانه تعالى جعل النداء سببا لوجوب السعى الى الجمعة ولا يلزم منه كون النداء شرطا لادائها كما ان قوله تعالى إذا قرء القران فاستمعوا له وانصتوا يدل على وجوب الاستماع والإنصات عند قراء ة القران لا على كون الاستماع والإنصات شرطا لجواز القراء ة حتى لا يجوز قراء ة الامام فى الصلاة والخطبة ان قرأ المقتدى والله تعالى اعلم(التفسير المظهرى، ج٩،ص٢٢٠،سورة الجمعة)

؎٢ وقد يجاب بأن ذلک مبنى على ما كان فى زمن السلف من صلاة الجماعة مرة واحدة وعدم تكررها كما هو فى زمنه -صلى الله عليه وسلم -فإنه هو الذى كان يصلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بلکہ نمازِ پنجگانہ کے لیے اذان، اسلامی شعائر سے تعلق رکھتی ہے، اور گھر میں نماز باجماعت اداء کرنے کی صورت میں بھی فقہاء نے اذان کو سنت یا مستحب قرار دیا ہے، لیکن اذان یا جماعت کے لیے دروازے کھلے رکھنے کو وہاں بھی شرط قرار نہیں دیا۔

نیز یہ بات ممکن ہے کہ اذان سے جماعت کی تشہیر کردی جائے، لیکن شرکتِ جمعہ میں اذنِ عام نہ دیا جائے، چنانچہ مختلف فیکٹریوں، حساس اداروں وغیرہ کی مساجد میں اذانیں دی جاتی ہیں، جن کی آوازیں باہر بھی پہنچ جاتی ہیں، لیکن باہر سے نماز پڑھنے کے لیے آنے والوں کو اجازتِ عام، یا اِذنِ عام نہیں دی جاتی، اور جماعت پھر بھی درست قرار دی جاتی ہے۔

اورغور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کاسانی نے دراصل، اس اشتہار کی شرط کو بھی، جس سے اذنِ عام ہی مراد ہے، جیسا کہ علامہ ابنِ عابدین شامی کے حوالے سے آتا ہے، شہر میں ایک مقام پر نمازِ جمعہ قائم ہونے کی صورت میں ہی ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس دلیل کے بعد خود ہی فرمایا کہ:

ولـذا يسـمـى جـمـعـة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الـجماعات كلها مأذونين بالحضور إذنا عاما تحقيقا لمعنى الاسم والله أعلم (بـدائـع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ا ،ص ٢٦٩ ،كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، فصل بيان شرائط الجمعة)

ترجمہ: اور اسی وجہ سے اس کا نام جمعہ ہے، کیونکہ اس میں (شہر کی) تمام جماعتیں جمع ہوجاتی ہیں، لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہوا کہ تمام جماعتوں کو حاضر ہونے کی اجازتِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بـأصـحـابـه فـإذا فرغ فمن تخلف تفوته الجماعة وسيأتى أن الراجح عند أهل المذهب وجـوب الـجـمـاعة فـيجب السعى إليها عند وقتها وذلك بالأذان كما فى" السعى يوم الجمعة يجب بالأذان لأجل الصلاة لا لذاته"

فتأمل ذلك فـلعلـه يـحـصـل بـه التـوفـيق بين كل من القولين(منحة الخالق على البحر الرائق، ج ا ، ص ٢٧٣ ، كتاب الصلاة،باب الأذان)

www.idaraghufran.org

عام بھی دی جائے، تاکہ اس کے نام کے معنیٰ متحقق ہوجائیں۔ واللہ اعلم (بدائع)

اور علامہ کاسانی نے خود ہی اپنے زمانے میں فرمایا ہے کہ تمام شہروں میں ایک جامع مسجد کے علاوہ، تمام مساجد کو بند رکھا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی نے ''بدائعُ الصنائع''میں فرمایا کہ:

''اور آج تک توارث وتعامل بھی اسی کے مطابق ہے کہ شہروں میں جامع مسجد کے علاوہ تمام مساجد کو جمعہ کے دن تالا لگادیا اور مقفل کردیا جاتا ہے''۔انتھٰی۔ ۱؎

ظاہر ہے کہ ایک مقام پر جمعہ ہونے کی صورت میں جب تک اذنِ عام کی شکل میں اشتہار نہیں ہوگا، اس وقت تک شہریوں کے لیے کسی اور شکل میں جمعہ کی ادائیگی ممکن ہی نہیں ہوگی، جس کی تفصیل ہم علامہ سرخسی وغیرہ کی عبارت کے ذیل میں بیان کرچکے ہیں، اور مزید وضاحت آگے علامہ شامی وغیرہ کے حوالے سے آتی ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ علامہ شامی نے اس سلسلے میں جو موقف اختیار فرمایا، وہ صاحبِ بدائع کے مذکورہ موقف کے خلاف نہیں۔ ۲؎

''فتحُ القدیر'' کا حوالہ

''فتحُ القدیر''میں ہے کہ:

۱؎ جرى التوارث بإغلاق أبواب المساجد فى وقت الظهر يوم الجمعة فى الأمصار (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۰، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يستحب فى يوم الجمعة وما يكره فيه)

۲؎ اور مسلکہ فتویٰ میں جو صاحبِ بدائع کی عبارت ''لاجتماع الجماعات'' کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ''اس میں بہت سی جماعتوں کا مختلف مقامات پر اجتماع ہوتا ہے'' اور اسی طرح علامہ شامی کی اس عبارت ''الاذن للجماعات كلها'' کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ ''وہ تمام مقامات، جہاں پر جمعہ کی جماعت ہورہی ہے'' یہ ترجمہ درست نہیں، اور اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ صرف اہلِ قلعہ وغیرہ کے لیے اِذن کافی نہیں، بلکہ شہر کے تمام لوگوں کے لئے اِذن ضروری ہے، اور یہ اسی صورت میں ہوگا، جب شہر میں ایک ہی مقام پر جمعہ ہو، جیسا کہ آگے علامہ شامی کی عبارت میں صراحتاً آتا ہے۔

لہٰذا ان عبارات سے جو مذکورہ فتوے میں استدلال کیا گیا، اور علامہ شامی کو جو صاحبِ بدائع کے خلاف موقف اختیار کرنے کا الزام دیا گیا، وہ بھی درست نہ ہوگا۔ محمد رضوان خان۔

www.idaraghufran.org

”جب جمعہ کی نماز متعدد جگہ ہو، اور جمعہ میں شک ہو، کہ اس کا جمعہ پہلا ہے، یا بعد کا، تو جو احتیاطُ الظہر ہم نے ذکر کی، اس کا پڑھ لینا مناسب ہے، اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر نمازِ جمعہ جائز نہیں، اور اصحابِ املاء نے امام ابو یوسف سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ ایک شہر کی دو مسجدوں میں بھی جمعہ جائز نہیں، مگر اسی صورت میں جبکہ ان دونوں جمعوں کی نمازوں والے مقامات کے درمیان بڑی نہر ہو، تاکہ وہ دو شہروں کی طرح ہو جائے، اور امام ابو یوسف بغداد میں جمعہ کے دن پُل کو دوسری طرف کے حصے سے الگ کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

اگر ایسا نہ ہو، تو پہلے لوگوں کا جمعہ صحیح ہوگا۔

اور اگر معلوم نہ ہو سکے کہ کس نے پہلے پڑھا ہے، تو دونوں کے جمعے فاسد ہو جائیں گے۔

اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ اگر شہر بہت بڑا ہو، تو دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، تین مقامات پر جائز نہیں۔

اور امام محمد سے تعدُّدِ مطلق بھی مروی ہے، جس کو انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔

اور اسی وجہ سے سرخسی نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک شہر میں دو مسجدوں میں اور زیادہ میں جمعہ کا قیام جائز ہے، اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

اور اشتباہ کی صورت میں چار رکعات احتیاطُ الظہر یا تو سنت واقع ہو جائیں گی، یا پھر نفل ہو جائیں گی“۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] وکذا إذا تعددت الجمعة وشک فی أن جمعته سابقة أو لا ینبغی أن یصلی ما قلنا . وأصله أن عند أبی حنیفة لا یجوز تعددها فی مصر واحد، وکذا روی أصحاب الإملاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف جو اپنے زمانے کے قاضی تھے، ان کے زمانے میں بھی بغداد جیسے شہر میں ایک جمعہ کی نماز ہوتی تھی، اور نہر کے اردگرد دو جگہ، جمعہ جائز ہونے کی صورت میں امام ابو یوسف، پُل کو ہٹانے کا حکم فرماتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ عام طور پر شہروں کے درمیان اس طرح کی بڑی نہروں کا وجود نہیں ہوتا، لہٰذا وہاں دوجگہ جمعہ کی نماز ہونا اس زمانہ میں نایاب تھا۔

اسی لیے اہلِ مرو نے جب دوجگہ جمعہ کی نماز کو شروع کیا، تو امام زاہدی (المتوفیٰ 658ھ) کے بقول احتیاطُ الظہر کا حکم وجود میں آیا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

”البنایۃ شرحُ الھدایۃ“ کا حوالہ

”البنایۃ شرحُ الھدایۃ“ میں ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أبی یوسف أنه لا یجوز فی مسجدین فی مصر إلا أن یكون بینهما نهر كبیر حتی یكون كمصرین، وكان یأمر بقطع الجسر ببغداد لذلک، فإن لم یكن فالجمعة لمن سبق، فإن صلوا معا أو لم تدر السابقة فسدتا .وعنه أنه یجوز فی موضعین إذا كان المصر عظیما لا فی ثلاثة.

وعن محمد یجوز تعددها مطلقا.

ورواه عن أبی حنیفة ولهذا قال السرخسی :الصحیح من مذهب أبی حنیفة جواز إقامتها فی مصر واحد من مسجدین فأكثر، وبه نأخذ لإطلاق :لا جمعة فی مصر، شرط المصر، فإذا تحقق تحقق فی حق كل منها .وجه روایة المنع أنها سمیت جمعة لاستدعائها الجماعات فهی جامعة لها.

والأصح الأول خصوصا إذا كان مصر كبیر، فإن فی إلزام اتحاد الموضع حرجا بینا لاستدعائه تطویل المسافة علی الأكثر، مع أن الوجه المذكور مما یتسلط علیه المنع.

وما قلنا من الكلام فی وقوعها عن السنة إنما هو إذا زال الاشتباه بعد الأربع لتحقق وقوعها نفلا، أما إذا دام الاشتباه قائما فلا یجزم بكونها نفلا؛ لیقع النظر فی أنها سنة أو لا، فینبغی أن یصلی بعدها السنة؛ لأن الظاهر وقوعها ظهرا؛ لأنه ما لم یتحقق وجود الشرط لم یحكم بوجود الجمعة فلم یحكم بسقوط الفرض، والله سبحانه وتعالی أعلم(فتح القدیر، ج۲،ص۵۳، ۵۴، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

اور شرحُ الجامع الصغیر میں کتابُ الحج کے اندر اہلِ علم نے فرمایا کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو مقامات پر جائز ہے، بخلاف جمعہ کے، کہ وہ ایک شہر میں دو مقامات پر جائز نہیں، کیونکہ اس کا نام جمعہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں، اور ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ پڑھنے میں لوگ متفرق ہوجاتے ہیں''۔

انتھیٰ۔[1]

پہلے زمانے میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، اور ایک جگہ جمعہ پڑھنے کو ہی ترجیح دی جاتی تھی، لیکن اب شہروں میں کئی کئی جگہ جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں، اور یہ پہلے ذکر کیا جاچکا کہ اگر سابق زمانے کے فقہاء، موجودہ حالات کا مشاہدہ فرماتے، تو غالبًا وہ بھی علی الاطلاق تعددِ جمعہ کی اجازت دے دیتے۔

''البنایۃ شرحُ الھدایۃ'' میں ہی ہے کہ:

اور'' المبسوط للسرخسی '' میں ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک شہر میں دو یا اس سے زیادہ مقامات پر جمعہ جائز ہے۔

اور جوامعُ الفقہ میں تعدُّدِ جمعہ کے متعلق امام ابوحنیفہ سے دو روایات مروی ہیں، اظہر اور زیادہ مضبوط روایت یہ ہے کہ دو مقامات پر جمعہ جائز نہیں۔

پھر اگر دو مقامات پر جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے، تو جمعہ پہلے والوں کا درست ہوگا، اور اگر دونوں جگہ جمعہ کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی جائیں، یا آگے پیچھے کا پتہ نہ چلے، تو دونوں فاسد شمار ہوں گی۔

اور''قُنیۃُ المنیۃ'' میں ہے کہ جب اہلِ مرو، دو جمعے قائم کرنے میں مبتلا ہوئے،

---

[1] وقالوا فی "شرح الجامع الصغیر "فی کتاب الحج :دونت المسألة علی أن صلاة العید فی مصر واحد فی موضعین تجوز بخلاف صلاة الجمعة فإنها لا تجوز فی موضعین فی مصر واحد؛ لأنها سمیت جمعة لاجتماع الناس وفی ذلک تفرقهم(البنایة شرح الهدایة،ج ۱۲ ،ص ۲۶، کتاب الاضحیة)

اور علماء کا اس کے جواز میں اختلاف ہوا، تو جمعہ کے بعد چار رکعات (احتیاطُ الظہر) کا حکم دیا گیا''۔انتھیٰ۔ [1]

''قنیة المنیة لتتمیم الغنیة'' کا حوالہ

ملحوظ رہے کہ ''اہلِ مرو'' کے تعددِ جمعہ میں مبتلا ہونے کی صورت میں ''القنیة'' کے حوالے سے، جمعہ کی نماز کے بعد، چار رکعت ''احتیاطُ الظہر'' کے مسئلے کا علامہ ابنِ عابدین شامی اور دیگر کئی حضرات نے ذکر کیا ہے۔ [2]

اور ''القنیة'' دراصل ''مختار بن محمود بن محمد الزاہدی'' (المتوفیٰ:658ھ) کی تالیف ہے، جس کا پورا نام ''قنیة المنیة لتتمیم الغنیة'' ہے، اس کی اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

---

[1] وفی "المبسوط": "الصحيح عن أبی حنيفة – رَحِمَهُ اللَّهُ – ومحمد جواز الجمعة فی مصر واحد فی موضعين وأكثر، وفی "جوامع الفقه" عن أبی حنيفة -رحمه الله- روايتان، والأظهر عنه عدم الجواز فی الموضعين، فإن فعلوا فالجمعة للأولیين، وإن وقعتا معا أو جهلت فسدتا. وفی " قنية المنية": "لما ابتلی أهل مرو بإقامة الجمعتين بها مع اختلاف العلماء فی جوازهما أمر ....بأداء الأربع بعد الجمعة احتياطا.(البناية شرح الهداية، ج٣،ص ٩٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] وفی القنية لما ابتلی أهل مرو بإقامة الجمعتين فيها مع اختلاف العلماء فی جوازهما أمر أئمتهم بالأربع بعدها حتما احتياطا .اهـ .ونقله كثير من شراح الهداية وغيرها وتداولوه وفی الظهيرية: وأكثر مشايخ بخاری عليه ليخرج عن العهدة بيقين(رد المحتار، ج٢ص ١٤٦، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

وفی القنية عن بعض المشايخ لما ابتلی أهل مرو بإقامة جمعتين مع اختلاف العلماء فی جوازها أمرهم أئمتهم بأداء الأربع بعد الظهر حتما احتياطا ثم اختلفوا فی نيتها فالأحسن والأحوط أن يقول: اللهم إنی أريد آخر ظهر أدركت وقته ولم أصله بعد لأن ظهر يومه إنما يجب عليه بآخر الوقت كما فی المطلب(مجمع الانهر، ج ١ص ١٦٧، ١٦٨، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

قال الزاهدی: لما ابتلی أهل مرو بإقامة الجمعتين بها أمر أئمتهم بأداء الظهر بعد الجمعة حتمًا احتياطًا، ثم اختلفوا فی النية، والأحسن أن ينوی آخر ظهر عليه والأحوط أن يقول: نويت آخر ظهر أدركت وقته ولم أصله بعد، ثم اختلفوا فقيل: يقرأ فی الكل، وقيل: فی الأولیين، والمختار عندی أن يحكم فيها برأيه واختلفوا/ فی مراعاة الترتيب فی الأربع بعد الجمعة حسب اختلافهم فی النية، وفی السبق بماذا يعتبر؟ فقيل: بالشروع، وقيل: بالفراغ، والأول أصح، انتهی(النهر الفائق، ج ١ص ٣٥٤، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

ولما ابتلی اهل مرو باقامة الجمعتين بها مع اختلاف العلماء فی جوازهما ،ففی قول ابی یوسف و الشافعی و من تابعهما هما باطلان ان دفعتا معا والا فجمعة المسبوقين باطلة امر ائمتهم باداء الابع بعد الجمعة حتما احتياطاً (قنية المنية لتتميم الغنية، ص ۴۹، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور جب ''اہلِ مرو'' دو جمعے قائم کرنے میں مبتلا ہوئے، اور علماء کا ان کے جواز میں اختلاف ہوا، امام ابو یوسف اور امام شافعی اور ان کے متبعین کے قول کے مطابق، اگر یہ دونوں جمعے ایک ساتھ پڑھے جائیں، تو دونوں باطل ہیں، ورنہ تو بعد والا جمعہ باطل ہے، تو ان کے ائمہ نے جمعہ کے بعد حتمی طور پر احتیاط کے پیشِ نظر، چار رکعت کا حکم فرمایا (قنية)

اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں شہروں کے اندر جمعہ کی نماز عموماً ایک ہی مقام پر ہوتی تھی، اور ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ پڑھنے کے متعلق اہلِ علم کی طرف سے بھی زیادہ توسع نہ تھا، اسی وجہ سے جب ''مرو'' کے لوگوں نے شہر کے دو مقامات پر جمع کا قیام طے کیا، تو امام ابو یوسف وغیرہ کے قول کی وجہ سے اس کے جواز پر شبہ پڑا، تو اس کے حل کے لیے ''احتیاطُ الظہر'' کے حکم پر عمل شروع ہوا۔

''احتیاطُ الظہر'' کے مسئلہ پر ہم نے اس سے پہلے مضامین میں تفصیل سے کلام کر دیا ہے۔

اور اِذنِ عام کا مسئلہ بھی اسی زمانے اور اسی حالت سے متعلق ہے، جب باضابطہ تعدُّدِ جمعہ کا رواج نہ تھا، اور جمعہ کی سلطان کے ساتھ تخصیص موجود تھی، جیسا کہ علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی نے وضاحت فرما دی ہے۔

''شرحُ العینی علی الکنز'' کا حوالہ

علامہ بدرالدین عینی (المتوفی:855ھ) ''شرحُ الکنز'' میں فرماتے ہیں کہ:

اذنِ عام کا امام کی طرف سے پایا جانا شرط ہے، کہ وہ جامع کے دروازے کھول

دے، اور لوگوں کو اجازت دے دے، یہاں تک کہ اگر کوئی جماعت، جامع میں جمع ہوگئی، اور انہوں نے دروازہ بند کرلیا، اور جمعہ پڑھا، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا، اور اسی طریقے سے اگر سلطان اپنے محل کا دروازہ بند کرلے، اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائے، تو اِذنِ عام نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز نہیں۔

اور اگر وہ محل کا دروازہ کھول دے، اور لوگوں کو داخلے کی اجازت دے دے، تو مکروہ ہے، کیونکہ اس نے جامع مسجد کا حق ادا نہیں کیا۔ انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں اذنِ عام کے امام یعنی حکمران کی طرف سے پائے جانے کے شرط ہونے کی قید لگائی گئی ہے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جامع مسجد سے مراد وہی جامع مسجد یا ''جوامع'' ہوں گی، جہاں امام یعنی حکمران، یا اس کا نائب جمعہ قائم کررہا یا کروارہا ہے، اسی لیے اس کے مقابلے میں سلطان کے محل کا دروازہ بند کرنے کی صورت میں عدمِ جواز اور دروازہ کھولنے کی صورت میں کراہت کا حکم، اس بناء پر بتلایا گیا کہ جامع کا حق ادا نہیں ہوا۔

پس یہ صورت تعددِ جمعہ کی نہیں، اور جوامع سے مراد، مختلف شہروں کی جوامع ہیں، چنانچہ دیگر متقدمین ومتاخرین نے ''جوامع'' کے بجائے ''جامع'' کے الفاظ فرمائے ہیں، اور تعددِ جمعہ کی جو صورت اذنِ عام سے متعلق ہے، اس کی وضاحت پہلے کی جاچکی ہے، اور کچھ آگے بھی آتی ہے۔

''البحرُ الرائق'' کا حوالہ

''البحرُ الرائق'' میں شمس الائمہ سرخسی کے حوالے سے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک، شہر میں

---

[1] (والإذن العام) بالرفع عطف على المرفوعات قبله اى وشرط ادائها ايضا: الإذن العام من الإمام، وهو أن يفتح أبواب الجوامع ويأذن للناس، حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع، وأغلقوا الباب وجمعوا لم يجز ذلك. وكذا السلطان إذا أغلق باب قصره وصلى بأصحابه لم يجز لعدمه، وإن فتح باب قصره وأذن للناس بالدخول فيه يجوز، ويكره، لأنه لم يقض حق المسجد الجامع (شرح العينى على الكنز، ج ١ ص ٩٩، كتاب الصلاة، باب فى بيان احكام صلاة الجمعة، مطبوعة : ادارة القرآن، كراتشى، الباكستان، الطبعة الاولىٰ: 2004ء)

www.idaraghufran.org

متعدد اور کثیر مقامات پر جمعہ کا جائز ہونا نقل کیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ صاحبِ بدائع کی اس بات کا رَد کیا گیا ہے کہ ''ظاھرُ الروایۃ'' میں دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، اور دو سے زیادہ مقامات پر جائز نہیں۔ [1]

اس پر کلام پہلے متعدد مرتبہ گزر چکا ہے، جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

نیز ''البحرُ الرائق'' میں ہی ''السراجُ الوھاج'' کے حوالے سے مذکور ہے کہ:

''جامع مسجد کے علاوہ، تمام مساجد کو جمعہ کے دن بند رکھا جائے گا، تاکہ اس میں کوئی جماعت، جمع نہ ہو سکے''۔انتھٰی۔ [2]

اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سابق زمانوں میں شہروں کے اندر، ایک ہی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز قائم کی جاتی تھی، اور آج تک، قدیم شہروں اور قصبوں وغیرہ میں عام طور پر ایک ہی مسجد ''جامع مسجد'' کے نام سے معروف ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے زمانے میں اس ایک ہی مسجد میں جمعہ اداء کیا جاتا تھا۔

پھر بعد میں حنفیہ کے مختلف اقوال کی روشنی میں تعددِ جمعہ کے مسئلے میں توسع پیدا ہوتا اور ترقی

---

[1] (قوله وتؤدى فى مصر فى مواضع) أى يصح أداء الجمعة فى مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبى حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن فى الاجتماع فى موضع واحد فى مدينة كبيرة حرجا بينا، وهو مدفوع كذا ذكر الشارح وذكر الإمام السرخسى أن الصحيح من مذهب أبى حنيفة جواز إقامتها فى مصر واحد فى مسجدين وأكثر وبه نأخذ لإطلاق :لا جمعة إلا فى مصر شرط المصر فقط، وفى فتح القدير الأصح الجواز مطلقا خصوصا إذا كان مصرا كبيرا كمصر فإن فى إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر وذكر فى باب الإمامة أن الفتوى على جواز التعدد مطلقا وبما ذكرناه اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين، ولا يجوز فى أكثر من ذلک، وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا وإذا علمت ذلک فما فى القنية ولما ابتلى أهل مرو بإقامة الجمعتين بها مع اختلاف العلماء فى جوازهما ففى قول أبى يوسف والشافعى، ومن تابعهما باطلتان إن وقعتا معا وإلا فجمعة المسبوقين باطلة أمر أئمتهم بأداء الأربع بعد الجمعة حتما احتياطا(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۱۵۳، ۱۵۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] وأشار المصنف إلى أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع لئلا يجتمع فيها جماعة كذا فى السراج الوهاج.(البحرالرائق، ج۲ص۱٦٦، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

کرتا چلا گیا، اور ایک شہر میں کئی مسجدوں کو جامع مسجد کہا جانے لگا، یہاں تک کہ محلّہ در محلّہ ''جامع مسجد'' کا نام مشہور ہوتا چلا گیا، جیسا کہ آج کل صورتِ حال ہے۔

''البحرُ الرائق ''میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

''جمعہ کی نماز کے لیے''اذنِ عام'' کی شرط ہے، جس کا مطلب''علیٰ سبیل الاشتھار ''جمعہ پڑھنا ہے، اور امیر اگر قلعہ کا دروازہ بند کر کے، جمعہ کی نماز پڑھے، تو وہ جائز نہیں، فقہاء نے اس کی تعلیل، شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین ہونا، بیان کی ہے۔

اور''المجتبیٰ ''میں ہے کہ سلطان، عوام کا دین، دنیا میں محتاج ہوتا ہے، اس لیے عوام، جمعہ میں اس کے محتاج ہوں گے، اور اگر سلطان نے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم دے دیا، اور وہ خود دوسری مسجد میں موجود ہے، تو جامع مسجد والوں کا جمعہ جائز ہے، دوسری مسجد والوں کا جائز نہیں، مگر اسی صورت میں جبکہ لوگ اس کو جان لیں۔

اور صاحبِ ہدایہ نے اس شرط کا اس لیے ذکر نہیں کیا کہ یہ ظاہرُ الروایۃ نہیں ہے، بلکہ یہ نوادرُ الروایۃ ہے، جیسا کہ بدائع میں ہے''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں اذنِ عام کی تشریح''علیٰ سبیل الاشتھار ''سے کی گئی ہے، اور امیر کے

---

[1] (قوله والإذن العام) أى شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار حتى لو أن أميرا أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله وعسكره صلاة الجمعة لا تجوز كذا فى الخلاصة، وفى المحيط، فإن فتح باب قصره وأذن للناس بالدخول جاز ويكره؛ لأنه لم يقض حق المسجد الجامع وعللوا الأول بأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فيجب إقامتها على سبيل الاشتهار.

وفى المجتبى فانظر إلى السلطان يحتاج إلى العامة فى دينه ودنياه احتياج العامة إليه فلو أمر إنسانا يجمع بهم فى الجامع، وهو فى مسجد آخر جاز لأهل الجامع دون أهل المسجد إلا إذا علم الناس بذلك اهـ.

ولم يذكر صاحب الهداية هذا الشرط؛ لأنه غير مذكور فى ظاهر الرواية، وإنما هو رواية النوادر كما فى البدائع(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج٢،ص١٦٢،١٦٣، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

قلعہ کا دروازہ بند کر کے، جمعہ درست نہ ہونے کی تعلیل، جمعہ کے شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہونے کی بیان کی گئی ہے۔

اور پھر''المجتبیٰ'' کے حوالے سے ایک جزئیہ امیر کے جمعہ پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں سرخسی وغیرہ کی طرح کی تعلیل ذکر کی گئی ہے، لیکن اس کی تعبیر تھوڑی مختلف کی گئی ہے، اور آخر میں بدائع کا حوالہ دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بدائع کی پیروی کی گئی ہے، ہم اس پر پہلے مفصلاً کلام کر چکے ہیں اور اس سلسلہ میں اصل عبارات پیش کر چکے ہیں، اور نقل واصل میں فرق کی صورت میں، اصل کو ترجیح حاصل ہوا کرتی ہے، اس لیے ہم یہاں مزید کلام کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

''منحۃُ الخالق'' کا حوالہ

''منحۃُ الخالق علی البحر الرائق''میں ہے کہ:

''اگر امیر نے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا، یہ اس صورت پر محمول ہے، جبکہ لوگوں کو نماز سے روکے، ورنہ اذنِ عام، جامع مسجد کا دروازہ کھولنے سے حاصل ہوجاتا ہے، جیسا کہ''الدرُّ المختار ''میں الکافی کی طرف اس کو منسوب کیا گیا ہے، اور ''الدرُّ المختار ''میں ہی''مجمع الانہر ''کے حوالہ سے''شرح عیون المذاهب '' کی طرف نسبت کرتے ہوئے مذکور ہے کہ قلعہ کا دروازہ، دشمن یا قدیم عادت کی وجہ سے بند کرنا مضر نہیں، کیونکہ اذنِ عام اس کے اہل کے لیے مقرر ومعلوم ہے، اور قلعہ کا دروازہ دشمن سے حفاظت کے لیے بند کیا جاتا ہے، نمازی کو روکنے کے لیے بند نہیں کیا جاتا، تاہم پھر بھی دروازہ بند نہ کیا جائے، تو زیادہ اچھا ہے۔

اور اس سے شیخ اسماعیل نابلسی کے اس قول کا جواب ہوگیا کہ اذنِ عام کا اعتبار

کرنے کی صورت میں دمشق کے قلعہ اور اس جیسے دوسرے مقامات پر جمعہ کی نماز کی صحت میں شبہ ہوگا کہ جن کے دروازوں کو بند کردیا جاتا ہے، اور لوگوں کو نمازِ جمعہ کی حالت میں اندر داخل ہونے سے منع کردیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اس طرزِ عمل کی عادت ہے، بلکہ ایسی صورت میں ظاہر یہی ہے کہ جمعہ کی نماز درست نہ ہوگی، کیونکہ اذنِ عام تو صرف اندر والوں کے لیے ہی ہوتا ہے، جیسا کہ وہ لوگ، جو محل کے اندر ہوں''۔انتھٰی۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ شیخ نابلسی نے جو شبہ فرمایا، وہ راجح نہیں، کیونکہ نماز کی حالت میں قلعہ کا دروازہ بند کرنے کی صورت میں باہر سے آنے والوں کو تو نماز میں شریک ہونا، ممکن ہی نہ ہوگا، اس لیے نمازِ جمعہ میں شبہ نہ ہوگا، بلکہ راجح یہ ہے کہ نماز صحیح نہ ہوگی، مجمع الانھر کی عبارت سے اس کا جواب ہوگیا۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''ردُّ المحتار'' میں باضابطہ تعددِ جمعہ کی صورت میں قلعہ کا دروازہ بند ہونے پر بھی نمازِ جمعہ کو جائز قرار دینے کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اور مجمع الانھر کی عبارت بھی آگے آتی ہے۔

اور ''منحۃ الخالق'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

''عید کی نماز کے لیے اگر سلطان شرط نہ ہوگا، تو اذنِ عام کی شرط کے بھی کوئی معنیٰ نہیں ہوں گے، اور عید کی نماز میں فقہاء نے سلطان کی شرط کا اس لیے ذکر نہیں کیا

---

[1] (قوله حتى إن أميرا لو أغلق إلخ) ينبغى حمله على ما إذا منع الناس من الصلاة وإلا فالإذن العام يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كما عزاه فى الدر المختار إلى الكافى وفيه عن مجمع الأنهر معزيا إلى شرح عيون المذاهب لا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلى نعم لو لم يغلق لكان أحسن اهـ.

وبه اندفع قول الشيخ إسماعيل (النابلسى) وعلى اعتباره أى الإذن العام تحصل الشبهة فى صحتها فى قلعة دمشق وأضرابها حيث يغلق بابها ويمنع الناس من الدخول حال الصلاة كما هو المعتاد فيها بل الظاهر حينئذ عدم الصحة إذ لا إذن عام فيها إلا لمن فى داخلها كمن فى داخل القصر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢، ص ١٦٢، ١٦٣، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

کہ اس میں اذنِ عام شرط نہیں، جبکہ پہلے یہ بھی گزر چکا ہے کہ اذنِ عام کا ظاہر الروایۃ میں ذکر ہی نہیں‘‘۔انتھٰی۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ اذنِ عام کی شرط کا تعلق سلطان کے شرط ہونے کے ساتھ ہے، اور سلطان کی شرط کے بغیر اس کے معتبر ہونے کے کوئی معنٰی نہیں۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اذنِ عام کا تعلق سلطان یا اس کے نائب سے ہے۔

اور دسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اذنِ عام کی شرط، سلطان کی شرط پر موقوف اور اس کے تابع ہے۔

اور راجح یہ ہے کہ اس باب میں جمعہ وعید کی نماز کا حکم برابر ہے، یعنی عندالحنفیۃ، عید کے لیے بھی سلطان کا شرط ہونا راجح ہے۔

’’النھرُ الفائق‘‘ کا حوالہ

’’النھرُ الفائق‘‘ میں ہے کہ:

’’جمعہ ایک شہر میں متعدد مقام پر جائز ہے، امام ابوحنیفہ کا صحیح مذہب، امام محمد نے یہی نقل کیا ہے، جیسا کہ ’’فتح القدیر‘‘ میں ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، اور ’’بدائع‘‘ میں دو مقامات پر جمعہ کے جائز ہونے کو ظاہرُ الروایۃ قرار دیا گیا ہے‘‘ [2]

---

[1] وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فى الظاهر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲،ص ۱۷۹، كتاب الصلاة ،باب العيدين)

[2] (وتؤدى) الجمعة (فى مصر فى مواضع) منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، وفى باب الإمامة من (فتح القدير) وعليه الفتوى، دفعًا للحرج اللازم من إلزام الاجتماع فى موضع واحد خصوصًا إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، وخص الثانى الجواز بموضعين وجعله فى (البدائع) ظاهر الرواية .قال :وعليه الاعتماد وما عن محمد من إطلاق الجواز فى ثلاث مواضع فمحمول على موضع الحاجة والضرورة، انتهى.
وفى (الحاوى القدسى) وعليه الفتوى وفى (التكملة) للرازى، وعن محمد عدم الجواز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور مذکورہ کتاب ہی میں ایک اور مقام پر ہے کہ:

’’جمعہ ادا ہونے کے لیے، امام کی طرف سے اذنِ عام شرط ہے، امام، عوام کا دین اور دنیا میں محتاج ہوتا ہے، تو اسی طریقے سے عوام اس کے محتاج ہوتے ہیں، اور اس شرط کا ظاہرُ الروایۃ میں ذکر نہیں، بلکہ نوادر کی روایت میں ذکر ہے، اسی وجہ سے اس کو ہدایہ میں حذف کردیا ہے‘‘۔انتھٰی۔ [1]

امام کے عوام کا اور عوام کے امام کا محتاج ہونے کی توضیح پہلے گزر چکی ہے۔

مذکورہ عبارت میں بھی اذنِ عام کے امام کی طرف سے ہونے کی قید ہے۔

اور مذکورہ کتاب ہی میں ایک اور مقام پر ہے کہ:

’’اور جب عید کی نماز کے لیے، سلطان یا اس کا نائب شرط نہیں ہوگا، تو اذنِ عام کی شرط کے بھی کوئی معنیٰ نہیں ہوں گے۔

اور گویا کہ فقہاء نے سلطان کا ذکر کرکے اذنِ عام کی شرط سے اس لیے استغناء اختیار کیا کہ ہم نے یہ بات ذکر کردی ہے کہ اذنِ عام کا ظاہر الروایۃ میں ذکر نہیں‘‘۔انتھٰی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فی أکثر من موضعین وبه نأخذ ويبنى على الخلاف صلاة الأربع بعد الجمعة بنية آخر ظهر عليه.

قال الزاهدی: لما ابتلى أهل مرو بإقامة الجمعتين بها أمر أئمتهم بأداء الظهر بعد الجمعة حتمًا احتياطًا(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۵۴، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[1] (و) شرط أدائها أيضًا (الإذن العام) من الإمام حتى لو غلق بابه وصلى باتباعه لا تجوز، ولو أذن للناس بالدخول فيه جاز ويكره فالإمام يحتاج للعامة فی دينه ودنياه. كما يحتاج العامة إليه فسبحان من تنزه عن الاحتياج، بل كل موجود إليه محتاج وهذا الشرط لم يذكر فی الظاهر، بل فی رواية (النوادر)، ولهذا حذفه فی الهداية(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۶۰، ۳۶۱، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فی الظاهر(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۷۳، کتاب الصلاة ،باب صلاة العيدين)

www.idaraghufran.org

حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ عیدین کے لیے سلطان کا ہونا بھی، جمعہ کی طرح شرط ہے، اور جو بعض نے سلطان کے عید کے لیے شرط ہونے کی نفی کی ہے، مذکورہ عبارت میں اس کا جواب ہے، اور مذکورہ عبارت میں ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اگر سلطان کو عید کی نماز کے لیے شرط قرار نہیں دیا جائے گا، تو پھر اذنِ عام کی شرط لگانے کے بھی کوئی معنیٰ نہیں ہوں گے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اذنِ عام کی شرط سلطان کے لیے ہے، اور اس کے تابع ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کے صحتِ جمعہ کا حق سلطان کے پاس موجود ہے، جب وہ چھپ کر، یا دروازہ بند کر کے جمعہ پڑھتا ہے، یا لوگوں کو اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کا اذنِ عام نہیں دیتا، تو وہ لوگوں کے حق پر قبضہ کرنے والا اور لوگوں کی حق تلفی کرنے والا ہوتا ہے۔

گویا کہ سلطان کا دروازہ بند کر کے نمازِ جمعہ پڑھنے میں لوگوں کے حق کو بھی بند کر لینا پایا جاتا ہے۔

اور اگر سلطان نے اپنا کوئی نائب جمعہ کے لیے مقرر کیا ہو، اس کا حکم بھی یہی ہوگا۔

”مجمعُ الأنهر“ کا حوالہ

”مجمعُ الأنهر“ میں ہے کہ:

> ”اور شہر میں چند مقامات پر، جمعہ کی نماز جائز ہے، فتح القدیر میں طرفین کا یہی قول مذکور ہے۔
>
> اور امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ جمعہ کی نماز شہر میں ایک مقام پر ہی جائز ہے، کیونکہ یہ دین کے شعائر میں سے ہے، اس لیے اس کی جماعت کی تقلیل جائز نہیں۔
>
> اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے مختلف روایات مروی ہیں“۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] (وتصح فی مصر) واحد (فی مواضع هو الصحيح) وهو قول الطرفين نقلا عن الفتح .وفي المنح :الأصح الجواز مطلقا خصوصا إذا كان مصرا كبيرا فإن فی اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے شعائرِ دین ہونے کی علت کا اعتبار فقہاء نے جمعہ کے ایک ہی مقام پر جائز ہونے میں کیا ہے۔

جبکہ بعض دیگر حضرات نے اس کو اذنِ عام کی شرط کی علت بنایا ہے، اگر اس کو بھی اس صورت پر محمول کیا جائے، جبکہ جمعہ کی نماز شہر میں ایک ہی جگہ قائم ہو، تو پھر اس پر قابلِ ذکر شبہ نہیں، لیکن جب ایک یا متعدد مقام پر اِذنِ عام، اور اعلان واشتہار کے ساتھ نمازِ جمعہ قائم ہو، پھر کچھ لوگ اِذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ قائم کریں، تو وہاں اذنِ عام کا نہ ہونا شعار کے منافی نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔

اور ''مجمعُ الأنهر ''میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

''اذنِ عام یہ ہے کہ اگر عمارت میں جمعہ ادا کیا جائے، تو آنے والوں کے لیے جامع کے دروازے کھول دیئے جائیں، فقہاء نے فرمایا کہ سلطان اگر اپنے حشم وخدم کے ساتھ، جمعہ پڑھنا چاہے، تو اگر وہ دروازہ کھول کر، اذنِ عام دے دے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی كلامه إشعار بأنه لو كان المصر صغيرا لا مشقة فی اجتماع أهله فی موضع واحد لا تجوز فيه الزيادة على واحد.

(وعن الإمام) لا تجوز إلا (فی موضع فقط) لأنها من أعلام الدين فلا يجوز تقليل جماعتها.

وفی جوازها فی مكانين تقليلها فإن أديت فی موضعين أو أكثر فالجمعة للأول تحريمة فإن وقعتا معا بطلتا لعدم المرجح وقيل فراغا وقيل فيهما جميعا وقيل :تجوز فی موضعين ولا تجوز فی أكثر وهو رواية عن أبی يوسف ومحمد ورواية عن الإمام ولكن فی الخانية لم يذكر قول الإمام وإنما ذكر ما بين أبی يوسف ومحمد.

(وعند أبی يوسف تجوز فی موضعين إن حال بينهما نهر) كبير كبغداد أو كان المصر كبيرا كما فی الشمنی وروى عنه أنه لا تجوز إذا كان عليه جسر وعنه أنه كان يأمر برفع الجسر فی بغداد وقت الصلاة ليكون كمصرين ثم كل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة بتفويت شرطها ينبغی أن يصلی أربع ركعات وينوی بها الظهر ليخرجوا عن فرض الوقت بيقين لو لم تقع الجمعة موقعها كما فی الكافی(مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، ج ۱،ص ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

تو نماز جائز ہے، مگر مکروہ ہے، ورنہ جائز نہیں، جیسا کہ ''الکافی'' میں ہے''۔

انتھٰی۔ [1]

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ حاکم شہید کی ''الکافی'' میں اِذنِ عام کے مذکورہ جزئیہ کا ذکر نہیں، البتہ متعدد حضرات نے حاکم شہید کی ''المنتقی'' کے حوالہ سے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔

شاید کسی سے ''المنتقی'' کے بجائے ''الکافی'' لکھنے میں خطاء ہوگئی ہو، اور پھر وہ نقل در نقل ہوتے ہوئے، آگے چلتی رہی ہو، جیسا کہ کئی دوسری عبارات میں اس طرح کے تسامحات کا صدور ہوا ہے، اور اس کی اہلِ علم حضرات نے نشان دہی فرمائی ہے۔

''شرحُ الوقایۃ'' کا حوالہ

''شرحُ الوقایۃ'' میں ہے کہ:

''اور معذور اور مسجون کے لیے شہر میں جمعہ کے دن، جماعت سے ظہر کی نماز، جائز نہیں، کیونکہ جمعہ تمام جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے، اس لیے ایک ہی جماعت جائز ہوگی، اور اسی وجہ سے امام ابو یوسف کے نزدیک، دو مقامات پر جمعہ جائز نہیں، سوائے خاص صورت کے، اور امام محمد کے نزدیک دو یا تین مقامات پر جائز

---

[1] (والإذن العام) وهو أن يفتح أبواب الجامع للواردين قالوا :السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره فإن فتح الباب وأذن إذنا عاما جازت الصلاة ولكن يكره وإلا لم يجز كما في الكافي وما لا يقع في بعض القلاع من غلق أبوابه خوفا من الأعداء أو كانت له عادة قديمة عند حضور الوقت فلا بأس به لأن إذن العام مقرر لأهله ولكن لو لم يكن لكان أحسن كما في شرح عيون المذاهب.

وفي البحر والمنح خلافه لكن ما قررناه أولى لأن الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع ولا مدخل في غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره تدبر وعند الأئمة الثلاثة لا يشترط الإذن العام (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ۱، ص ۱۶۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے''۔انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے مسجون کے لیے ظہر کی جماعت کے مکروہ ہونے کی یہ وجہ معلوم ہوئی کہ جمعہ کے دن، شہر میں ایک ہی جمعہ کی جماعت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ قید خانے سے متعلق یہ حکم عدمِ تعددِ جمعہ پر محمول ہے، اسی لیے آگے امام ابو یوسف کے قول کی اس پر تفریع کی گئی ہے۔

اور جمعہ کے لئے چونکہ ظاہرُ الروایت کے مطابق سلطان شرط ہے، اور وہ جیل خانہ میں نہیں جاتا، اور تعامل بھی سابق زمانوں میں عدمِ تعدُّدِ جمعہ کا رہا ہے، اس لیے جیل خانے میں جمعہ کی نماز بھی جائز نہیں، یعنی جیل خانے میں جمعہ نہ ہونے کی بنیادی وجہ، ظاہرُ الروایت کی شرط کا فقدان ہے، اور اِذنِ عام کی شرط اس ظاہرُ الروایت کی شرط پر متفرع ہے۔

لہٰذا جیل خانے میں جمعہ کی وجہ اِذنِ عام کے بجائے، سلطان یا اس کے اِذن کی شرط کے مفقود ہونے کو قرار دینا ہی راجح ہے، اگرچہ متعدد اہلِ علم میں اس کے برخلاف مشہور ہے۔

''شرحُ النقایۃ'' کا حوالہ

''شرحُ النقایۃ'' میں ہے کہ:

''جمعہ، شہر کے اندر متعدد مقامات پر قائم ہونے کے متعلق چار روایات ہیں۔

ایک روایت امام ابوحنیفہ وامام محمد کی ہے، جس کے مطابق دو اور زیادہ مقامات پر جمعہ جائز ہے، جس کو سرخسی نے اصح ومختار قرار دیا ہے۔

---

[1] (وکرہ ظهر معذور أومسجون بجماعة فی مصريومها)؛ لأن الجمعة جامعة للجماعات، فلا يجوز إلا جماعة واحدة؛ ولهذا لا تجوز الجمعة عند أبی يوسف -رضی الله عنه -بموضعين إلا إذا كان مصر له جانبان، فيصير فی حكم مصرين كبغداد، فيجوز حينئذ فی موضعين دون الثلاثة.
وعند محمد -رضی الله عنه :-لا بأس بأن يصلی فی موضعين، أو ثلاثة سواء كان للمصر جانبان، أو لم يكن، (وبه يفتی)(شرح الوقاية مع حاشية عمدة الرعاية ،ج۳،ص ٦٢، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

دوسری روایت امام ابو حنیفہ کی ایک سے زیادہ مقامات پر عدمِ جواز کی ہے، کیونکہ یہ دین کی علامات میں سے ہے، لہٰذا اس کو ایک مجمع سے تقسیم کر کے، اس کی تقلیل جائز نہ ہوگی۔

تیسری روایت امام ابو حنیفہ اور آپ کے صاحبین کی ہے کہ دو مقامات پر جائز ہے۔

چوتھی روایت امام ابو یوسف کی ہے کہ بڑے شہر یا دونوں مقامات کے درمیان بڑی نہر حائل ہونے کی صورت میں دو مقامات پر جمعہ جائز ہے''۔انتھیٰ۔ [1]

تعدُّدِ جمعہ کے متعلق حنفیہ کے اختلاف اور مختلف روایات کا محققینِ حنفیہ کے حوالے سے پہلے ذکر گزر چکا ہے، اس کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

''شرحُ النقایۃ''میں ہی ہے کہ:

''جمعہ کے لیے اذنِ عام اس لیے شرط ہے کہ یہ اسلام کے شعائر میں سے ہے، تو اس کو لوگوں کے درمیان اشتہار کے طریقے پر قائم کرنا واجب ہے، اسی وجہ سے امیر کو دروازہ بند کر کے اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھانا جائز نہیں، کیونکہ سلطان کی

---

[1] ولو أقيمت الجمعة فى مصر فى مواضع، ففى المذهب أربع روايات:

أولاها عن أبى حنيفة ومحمد وهى أصحها :الجواز سواء كان التعدد فى موضعين أو أكثر، لأن فى عدم تعدد جوازها حرجا .والحرج مدفوع، فصارت كصلاة العيدين .وبه قال محمد، وهو مختار السرخسى.

ثانيتها عن أبى حنيفة :لا يجوز فى أكثر من موضع واحد، لأن الجمعة من أعلام الدين، فلا يجوز تقليل جماعتها، وفى جوازها فى مكانين تقليلها.

ثالثتها عن أبى حنيفة وصاحبيه :يجوز فى موضعين لا غير نظرا إلى وجهى الروايتين الأوليين.

رابعتها عن أبى يوسف :يجوز فى موضعين إذا كان المصر كبيرا، أو حال بين الخطبتين نهر كبغداد.

ثم من قال بعدم جواز التعدد قال :الجمعة هى السابقة .وفى المحيط :إن وقعتا معا بطلتا .وفى شرح المجمع :وكذا لو جهلت السابقة، ثم الأصح أنه يعتبر السبق بالشروع لا بالفراغ ولا بهما (شرح النقاية، ج ۱، ص ۴۸۵، ۴۸۶، كتاب الصلاة، باب فى صلاة الجمعة، فصل فى شروط وجوب الجمعة، شروط اداء الجمعة)

www.idaraghufran.org

شرط، لوگوں سے جمعہ فوت ہونے سے بچانے کے لیے ہے، اور وہ اذنِ عام کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اور جس طرح عوام، سلطان کے جمعہ کو قائم کرنے میں محتاج ہوتے ہیں، تو سلطان جمعہ قائم کرنے میں ان کا محتاج ہوگا کہ وہ ان کو اذنِ عام دے دے، جس سے طرفین کی رعایت ہوجائے گی'' ۔انتھٰی۔ [1]

شعائر کی توجیہ بعض اہلِ علم سے لی گئی ہے، جو کہ بنیادی طور پر شہر میں ایک مقام پر جمعہ کے قیام کے قول کی دلیل ہے، جس پر کلام گزر چکا ہے، مزید آگے آتا ہے۔

اور سلطان کے دروازہ بند کرنے کی وجہ سے لوگوں کا جمعہ فوت ہونے کی توجیہ کی توضیح بھی گزر چکی ہے، اور واضح ہوچکا کہ عندالحنفیہ سلطان کے پاس لوگوں کی صحتِ جمعہ کی شرط موجود ہوتی ہے، کیونکہ حنفیہ نے سلطان کو صحتِ جمعہ کی شرط قرار دیا ہے۔

لہٰذا سلطان کے لوگوں کو اپنے ساتھ جمعہ میں اِذنِ عام نہ دینے سے لوگوں کا جمعہ فوت ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے سلطان کو اِذنِ عام کی شرط کا پابند کیا گیا۔

اور اس کے لئے ہر ایسے طرزِ عمل کو ناجائز ٹھہرایا گیا، جس کی وجہ سے جمعہ کی، اس کے ساتھ تخصیص ہونے کی بناء پر لوگوں کے فریضۂ جمعہ کا ضیاع لازم آئے، یا آئندہ کے لئے اس کا سبب بنے، اور سلطان کے لیے مظنۂ تہمت ہو۔

لہٰذا اس اِذنِ عام کی شرط کو اپنے درجہ پر رکھنا چاہئے۔

---

[1] (والإذن العام) أى وشرط لأدائها الإذن العام لأنها من شعائر الإسلام، فيجب إقامتها على وجه الاشتهار بين الأنام، حتى لو أغلق الأمير باب قصره وصلى بعسكره لم يجز، ولو فتح باب قصره وأذن بالدخول جازت مع الكراهة، كذا ذكره الشمنى .وفى المبسوط :إن الإذن العام هو أن تفتح أبواب الجامع، ويؤذن للناس حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع وأغلقوا الأبواب وجمعوا لم تجز. وكذا السلطان إذا أراد أن يصلى بحشمه فى قصره، فإن فتح بابه وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدتها العامة أو لا، وإن لم يفتح بابه ولم يأذن لهم بالدخول لا تجزئه، لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، وذا لا يحصل إلا بالإذن العام .وكما يحتاج العامة إلى السلطان فى إقامتها، فالسلطان يحتاج إليهم :بأن يأذن لهم إذنا عاما، فبهذا يعتدل النظر من الجانبين(شرح النقاية، ج ا ،ص ۴۹۱، ۴۹۲، كتاب الصلاة، باب فى صلاة الجمعة، فصل فى شروط وجوب الجمعة، شروط اداء الجمعة)

www.idaraghufran.org

’’الجوھرُ النیرۃ‘‘ کا حوالہ

’’الجوھرُ النیرۃ‘‘ میں ہے کہ:

’’شہر میں دو مقامات پر، جمعہ میں حرج نہیں، اور اس سے زیادہ مقامات پر جائز نہیں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے دو یا تین مقامات پر ہی جواز کی روایات مروی ہیں، اور امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق، صرف ایک مقام پر ہی جائز ہے‘‘۔ انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں جمعہ کے تین مقامات تک جواز کا قول مذکور ہے، اس سے زیادہ کے جواز کا ذکر نہیں، جیسا کہ بعض دیگر حضرات نے بھی فرمایا۔

’’دررُ الحکام شرح غرر الأحکام‘‘ کا حوالہ

’’دررُ الحکام شرح غرر الأحکام‘‘ میں ہے کہ:

’’اور جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے اذنِ عام شرط ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ امیر، لوگوں کو اذنِ عام دے دے، یہاں تک کہ اگر وہ اپنے محل کے دروازے کو بند کر کے اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھائے گا، تو جائز نہیں ہوگا‘‘۔ انتھٰی۔ [2]

مذکورہ عبارت میں اذنِ عام کے امیر کی طرف سے دیے جانے اور امیر کے محل کا دروازہ بند

---

[1] ولا بأس أن يجمع الناس فى المصر فى موضعين ولا يجوز فى أكثر من ذلك وعن أبى يوسف لا تجوز فى موضعين إلا أن يكون بين الجامعين نهر عظيم وإن لم يكن فالجمعة لمن سبق وعلى الآخرين إعادة الظهر وإن صلوا معا ولا يدرى من سبق لا تجوز صلاتهم جميعا، وعند محمد تجوز فى موضعين وثلاثة وعن أبى حنيفة لا تجوز إلا فى موضع واحد (الجوهرة النيرة، ج ١ ،ص ٨٩، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] (و) شرط صحتها أيضا (الإذن العام) أى أن يأذن الأمير للناس إذنا عاما حتى لو أغلق باب قصره وصلى بأصحابه لم يجز (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ١ ،ص ١٣٨ ، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

کرنے کا ذکر ہے۔

اور ہم متعدد حنفیہ سے یہ نقل کرتے آرہے ہیں کہ انہوں نے اس شرط کا سلطان وامیر کو ہی پابند کیا ہے، اور یہ پابندی، سلطان کے ہر نائب پر عائد ہے۔

اور اس کی وجہ حنفیہ کے نزدیک سلطان، یا اس کا نائب شرط ہونے کی بناء پر ہی متفرع ہے، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہوجائے، یا آئندہ کے لیے سلطان وامیر کا یہ عمل لوگوں کے جمعہ کو فوت کرنے کی طرف مفضی یا اس کے لیے مظنۂ تہمت نہ ہوجائے۔

''غمز عیونِ البصائر'' کا حوالہ

''غمز عیونِ البصائر'' میں بھی شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ کے متعلق اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ عید کی نماز تو دو مقامات پر جائز ہے، اور تین مقامات پر جائز ہونے میں اختلاف ہے، لیکن جمعہ کے مسئلے میں اصل تعدد میں ہی اختلاف ہے۔ [1]

''مراقیُ الفلاح و حاشیةُ الطحطاوی'' کا حوالہ

علامہ شرنبلالی (المتوفیٰ:1069ھ) کی ''مراقیُ الفلاح'' اور اس کی شرح ''حاشیةُ

---

[1] قال فی البزازية: إن إقامته فی موضعين فی مصر يجوز بخلاف الجمعة؛ لأنها جامعة للجماعات: والتفرق ينافيه (انتهى)

وكتب عليه قاضی القضاة عبد البر بن الشحنة ما نصه: قلت الصحيح أنه يجوز الجمعة فی موضعين فأكثر وهی خلافية مشهورة (انتهى)

أقول: هذا الافتراق أخذه المصنف من كلام البزازی وأصلح عبارته بقوله على قول مرجوح فسلم من هذا الاعتراض، لكن فی التتارخانية نقلا عن المحيط تجوز إقامة صلاة العيد فی موضعين، وأما إقامتها فی ثلاث مواضع فعلى قول محمد يجوز، وعلى قول الإمام لا يجوز .(انتهى)

وعلى هذا فأصل التعدد فی صلاة العيد لا خلاف فيه، وإنما الخلاف فی إقامتها فی ثلاثة مواضع بخلاف الجمعة: فإن الخلاف فيها فی أصل التعدد؛ لأنها جامعة للجماعات والتفرق ينافيه(غمز عيون البصائر فی شرح الاشباه والنظائر، ج۴، ص۲۹۰، الفن الثالث من الأشباه والنظائر وهو فن الجمع والفرق، القول فی أحكام المسجد، ما افترق فيه الجمعة والعيد)

www.idaraghufran.org

الطحطاوی“ میں مبسوط سرخسی کے حوالہ سے تعدُّدِ جمعہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔
اور تعدُّدِ جمعہ کے جواز کے راجح ہونے کی طرف رُجحان ظاہر کیا گیا ہے، جس کے متعلق پہلے متعدد مرتبہ کلام ہو چکا ہے۔ [1]

نیز علامہ شرنبلالی (المتوفی: 1069ھ) نے ”مراقی الفلاح“ میں اِذنِ عام کے مسئلے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”صحتِ جمعہ کی پانچویں شرط، اِذنِ عام ہے، کیونکہ جمعہ شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہے۔
لہٰذا اس کو اشتہار اور عموم کے طریقہ پر قائم کرنا، لازم ہے۔
پس اگر حکمران نے اپنے قلعہ یا محل کے دروازہ کو بند کر کے اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھا دیا، تو جائز نہ ہوگا، اور اگر لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، تو جمعہ صحیح ہو جائے گا۔
لیکن جامع مسجد کا حق ادا نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا، اور ”الهداية“ میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کا ”ظاهرُ الرواية“ میں ذکر نہیں پایا

---

[1] وتصح إقامة الجمعة فی مواضع كثيرة بالمصر وفنائه وهو قول أبی حنيفة ومحمد فی الأصح ومن لازم جواز التعدد سقوط اعتبار السبق وعلى القول الضعيف المانع من جواز التعدد قيل بصلاة أربع بعدها بنية آخر ظهر عليه(مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح،ص ۱۹۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

قوله" :فی الأصح "قال السرخسی وبه نأخذ وعليه الفتوى كما فی شرح المجمع للعينی وكما فی الفتح ومقابل الأصح ما فی البدائع أن ظاهر الرواية جوازها فی موضعين فلا تجوز فی أكثر من ذلک وعليه الإعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا وما قاله الشيخ العلامة المقدسی فی نور الشمعة عن الإمام لا تجوز إلا فی موضع واحد فی البلد الواحد وما قال الإمام الزاهد العتابی وإلا ظهر عنده أنها لا تجوز إلا فی موضعين ولو فعلوا فالجمعة للأولى وإن صليا معا فصلاتهم جميعا فاسدة والأصح إطلاق الجواز فی مواضع لا طلاق الدليل اهـ أفاده الشرح قوله" :وعلى القول الضعيف "هو قول أبی يوسف قوله" :المانع من جواز التعدد "فالجمعة عنده للسابق وتفسد بالمعية والاشتباه ثم يعتبر السبق بالشروع وقيل بالفراغ وقيل بهما(حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح،ص ۵۰۶، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

جاتا، یہ تو ''النوادر'' کی ایک روایت ہے۔

اور قاضی عبدالبرابن شحنہ (حلبی، قاہری، حنفی، المتوفیٰ 921ھ) نے قاہرہ کے قلعہ میں، جمعہ کے وقت دروازہ کے مقفل ہونے کی وجہ سے، جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن ممانعت کا قول، بظاہر قابلِ نظر ہے، کیونکہ حاکم کے اپنے قافلے کے ساتھ، محل میں نمازِ جمعہ صحیح نہ ہونے کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ جمعہ کو اپنے ساتھ مختص کرلے، اور عام لوگوں کو جمعہ سے محروم کردے، لیکن قاہرہ کے قلعہ میں جمعہ پڑھنے کے قضیہ میں یہ علت مفقود ہے، کیونکہ قاہرہ کے اس قلعے کو اگرچہ جمعہ کے وقت مقفل کردیا جاتا ہے، لیکن حاکم نے جمعہ کو اپنے ساتھ مختص نہیں کیا ہوتا، کیونکہ قلعہ کے دروازے کے قریب کئی جامع ہیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر خطبہ اور جمعہ ہوتا ہے، اوران کی وجہ سے قلعہ میں داخل ہونے سے منع کرنے کی وجہ سے جمعہ فوت نہیں ہوتا، بلکہ اگر قلعہ کا دراوزہ کھلا بھی رکھا جائے، تو اس میں جمعہ کی نماز کے لیے جانے کی لوگوں کو زیادہ رغبت نہیں ہوتی، کیونکہ جمعہ کی نماز، اس قلعے میں چڑھنے کا تکلف کرنے کے مقابلے میں سہل مقامات پر بھی حاصل ہوجاتی ہے، اور قاہرہ شہر کے ہر محلے میں مختلف خطبے اور جمعے ہوتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں قلعہ کو بند کرکے صحتِ جمعہ کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی '' انتھیٰ۔ [1]

---

[1] و "الخامس من شروط صحة الجمعة "الإذن العام "كذا فى الكنز لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فلزم إقامتها على سبيل الاشتهار والعموم حتى غلق الإمام باب قصره أو المحل الذى يصلى فيه بأصحابه لم يجز وإن أذن للناس بالدخول فيه صحت ولكن لم يقض حق المسجد الجامع فيكره.

ولم يذكر فى (الهداية) هذا الشرط لأنه غير مذكور فى ظاهر الرواية وإنما هو رواية (النوادر).

قلت اطلعت على رسالة العلامة بن الشحنة وقد قال فيها بعدم صحة الجمعة فى قلعة القاهرة لأنها تقفل وقت صلاة الجمعة وليست مصرا على حدتها .وأقول فى المنع نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة والعلة مفقودة فى هذه القضية فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة لأن عند باب القلعة عدة جوامع فى كل منها خطبة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پہلے گزر چکا ہے کہ جمعہ کے شعائرِ دین ہونے کی علت کا اعتبار فقہاء نے جمعہ کے ایک ہی مقام پر جائز ہونے میں کیا ہے، اور بعض حضرات نے اس کو اذنِ عام کی علت بنایا ہے، علامہ شرنبلالی نے جمعہ کے اشتہار، یعنی اذنِ عام کے طریقہ پر قائم کرنے کی وجہ، جمعہ کے شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہونے کی بیان فرمانے کے بعد، اس کو اس صورت پر محمول کیا ہے، جبکہ جمعہ کی نماز شہر میں ایک ہی جگہ قائم ہو، لیکن جب متعدد مقام پر نمازِ جمعہ قائم ہو، پھر حکمران، اِذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ قائم کرے، تو جائز ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔

اور امام ابو یوسف کے متعلق گزر چکا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں بغداد کے اندر دو جمعہ کی نمازیں جائز ہونے کے لئے درمیان کی نہر کے پُل کو درمیان سے الگ کرنے کا حکم دیا کرتے تھے، تاکہ وہ دو شہروں کا حکم حاصل کرلے، اس سے پہلے اس کو بھی جائز نہ فرماتے تھے، یعنی اس زمانے میں تعدُّدِ جمعہ کی صورتیں نایاب تھیں، لیکن علامہ شرنبلالی دسویں صدی کے قُرب میں فرما رہے ہیں کہ قاہرہ میں کئی جگہ شہر میں اور قلعہ کے قریب جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ دسویں صدی ہجری میں تعدُّدِ جمعہ کے مسئلہ میں کافی توسُّع ہوگیا تھا، اور اس وقت جمعہ کے حکمرانوں کے ساتھ تخصیص کا مسئلہ پہلا جیسا نہیں رہا تھا، جس کا مطلب یہی ہے کہ اس وقت حکمرانوں نے نمازِ جمعہ کے قیام کے لیے عملاً اپنے آپ کو کافی الگ تھلگ کرلیا تھا، اور انہوں نے شہروں میں مستقل ائمہ وخطباء اور جمعہ کے مقامات مستقل طور پر مقرر کردیے تھے، جہاں حکمران کے قضاء وفیصلے اور اجازت کے ساتھ جمعہ کی نمازیں قائم ہوتی تھیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة بل لو بقيت القلعة مفتوحة لا يرغب فى طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها .

وفى كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها(مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح،ص ۱۹۴ ، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جمعہ کی حکمران کے ساتھ تخصیص کی سابقہ کیفیت ختم ہوگئی تھی، اور اس طرح تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں حکمران کے دروازے بند کرکے جمعہ پڑھنے سے شہر کے دوسرے لوگوں کا جمعہ فوت ہونا اور ان کی حق تلفی کرنا اور حکمران پر تہمت کا آنا لازم نہیں آتا تھا، اس لیے اب حکمران کا بھی اِذنِ عام کے بغیر اور دروازے بند کرکے جمعہ پڑھنا جائز تھا، اور جب اس صورت میں حکمران کے لیے جائز ہے، تو کسی دوسرے کے لئے جو حکمران بھی نہ ہو، کیسے جائز نہ ہوگا، جب تک ممانعت کی کوئی دوسری وجہ نہ ہو۔

احمد بن محمد طحطاوی نے ''حاشیۃُ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ''میں مذکورہ عبارت کی تشریح کے ذیل میں فرمایا کہ:

''ابنِ شحنہ کا کہنا تو یہ ہے کہ قلعہ کا دروازہ بند کرکے اِذنِ عام کی شرط موجود نہیں رہتی، قطع نظر، اختصاص کے، اسی لیے مجمعُ الانھر میں فرمایا کہ دروازہ بند کرنا نمازیوں کو روکنے کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ دشمن سے حفاظت کے لیے ہوتا ہے، قاہرہ کے قلعہ اور اس جیسے دوسرے قلعوں وغیرہ کا یہی حکم ہے، اور قلعہ خود سے مستقل مصر نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں اگرچہ دوکانیں اور گلیاں وغیرہ ہوتی ہیں، لیکن مصر کے تمام تقاضے اور لوازمات وہاں موجود نہیں ہوتے، اس لیے وہ قلعہ باہر کے تابع ہے''۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] قوله" :لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين "أى وقد شرعت بخصوصيات لا تجوز بدونها والإذن العام والأداء على سبيل الشهرة من تلك الخصوصيات ويكفى لذلك فتح أبواب الجامع للواردين كذا فى الكافى.

قوله" :حتى لو غلق الإمام الخ "وكذا لو اجتمع الناس فى الجامع وأغلقوا الأبواب وجمعوا لم يجز كافى وظاهر عبارته أن غلق يأتى ثلاثيا والواقع فى عبارة غيره الرباعى وفى الآية وهو قوله تعالى: (وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ) للتضعيف وهو يأتى بدل الهمزة وراجعه .

قوله" :وإن أذن للناس بالدخول فيه صحت "سواء دخلوا أم لا كذا فى الكافى قوله" :ابن الشحنة" هو العلامة عبد البر والشحنة حافظ البلد.

قوله" :فى قلعة القاهرة "أى ونحوها قوله" :وليست مصرا على حدتها "فإنه وإن كان فيها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمیں غور کرنے سے علامہ شرنبلالی کے موقف کا راجح ہونا معلوم ہوا۔

کیونکہ پیچھے علامہ سرخسی، اور صاحبِ المحیطُ البرھانی وغیرہ کے حوالے سے اِذنِ عام کی شرط کی جو بنیادی علت گزری، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان کے دروازہ بند کر لینے سے لوگوں کا جمعہ فوت ہو جاتا ہے۔

لیکن جب خود سلطان نے لوگوں کے جمعہ صحیح ہونے اور فوت ہونے سے بچانے کا شہر میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجوانيت والسكك وغير ذلك إلا أنها لم تستوف جميع ما ذكر في حد المصر من القاضي ونحوه.

قوله" :في المنع "أى منع صحة الجمعة .

قوله" :اختصاصه بها دون العامة "فيه نظر فإن الناس لو أغلقوا باب مسجد وصلوها لا تجوز لهم فالعلة عدم الأذن ولذا قال في مجمع الأنهر نافلا عن عيون المذاهب ولا يضر غلق باب القلعة لعدو أو عادة قديمة لأن الإذن العام حاصل لأهله وغلق الباب ليس لمنع المصلي ولكن عدم غلقه أحسن.

قوله" :لم يختص الحاكم الخ "هو يقول بعدم الصحة وإن كان الحاكم يجمع خارجها وما ذاك إلا لعدم الإذن العام لا للإختصاص فتدبر.

قوله" :لأن عند باب القلعة "أى خارجه .

قوله" :لا يفوت من منع الخ "هى لا منع فيها قبل غلقها وإنما تغلق للعادة .

قوله" :فيما هو أسهل من التكلف "الأوضح أن يقول فيما هو أسهل منها للتكلف بالصعود إليها

قوله" :وفي كل محلة الخ "أى فلا اختصاص بها لمن بالقلعة.

قوله" :لأن الجمعة مشتقة منها "أى مأخوذة فإن الاشتقاق من المصادر أى والأصل مراعاة المعانى اللغوية إذا لم يتحقق نقل.

قوله" :فانصرف من شهدها "قد تقدم قول أنه لا يشترط حضور أحد لسماعها وصحح قوله: "ولهما أن الجمع الصحيح إنما هو الثلاثة "وأيضا طلب الحضور في قوله عز وجل :(فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ)متعلق بلفظ الجمع وهو الواو والذكر المسند إليه السعى يستلزم ذاكرا وهو غير الجمع المطلوب حضوره فلزم أن يكون مع الإمام جمع وما دون الثلاثة ليس جمعا متفقا عليه فليس بجمع مطلق والمشروط هنا ظنا جمع مطلق وبيان ما ذكره المصنف أن أقل الجمع ثلاثة حقيقة لمخالفة صيغته الدالة عليه صيغة التثنية والواحد والإثنان وإن كان جمعا من وجه نظرا إلى الاشتقاق فهو مجاز والعمل بالحقيقة هو الأصل وكون المثنى له حكم الجمع في الميراث ونحوه لقيام الدليل ثمة فأعلمناه فيه لا يلزم اطراده (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ٥١١، كتاب الصلاة ، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

دوسرے مقامات پر باضابطہ انتظام کر دیا، جہاں لوگوں کو اپنے فریضۂ جمعہ کو ادا کرنے کا انتظام موجود ہے، تو سلطان نے اپنے ساتھ جمعہ کی تخصیص اور لوگوں کے حق کے اپنے پاس مقید ہونے سے برائت ظاہر کر دی۔

اور ایسی صورت میں اس کا دروازے بند کر کے جمعہ اداء کرنا، فی نفسہٖ جائز ہے، کیونکہ اس عدمِ تخصیص کی وجہ سے لوگوں کے لئے صحتِ جمعہ کے ساتھ فریضہ اداء کرنے کے لئے اپنے مقام پر اِذنِ عام موجود ہے، اور مسلمان پر تہمت بھی لازم نہیں آتی۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے بھی اپنے الفاظ میں، اِذنِ عام کی اسی علت کا ذکر فرما کر تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں اِذنِ عام کے نہ ہونے پر جمعہ کو صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ انہوں نے تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں لوگوں کے جمعہ فوت نہ ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، سلطان کے جمعہ کے اپنے ساتھ اختصاص کا ذکر نہیں فرمایا، مگر مقصود ان کا بھی یہی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

''الدرُّ المختار وردُّ المحتار'' کا حوالہ

''الدرُّ المختار'' میں ہے کہ:

> ''حنفی مذہب کے مطابق، ایک شہر میں بہت سے مقامات پر علی الاطلاق، جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے، اسی پر فتویٰ ہے، دفعِ حرج کی وجہ سے، اور مرجوح قول کے مطابق متعدد مقامات پر جمعہ جائز نہیں''۔انتہٰی۔ [1]

یہ بھی ملحوظ رہے کہ صاحبِ ''الدر المختار'' نے جس زمانے میں یہ بات فرمائی، اس زمانے میں شہر کے اندر ایک ہی مقام پر جمعہ قائم ہوتا تھا۔

---

[1] (وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقا علی المذهب وعلیه الفتوی شرح المجمع للعینی وإمامة فتح القدیر دفعا للحرج، وعلی المرجوح(الدر المختار مع شرحه رد المحتار علی الدر المختار، ج۲، ص۱۴۵، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

چنانچہ ''الدرُّ المختار'' میں ہی ہے کہ:

''اوراس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے علاوہ، تمام مساجد کو بند کیا جائے گا''۔انتھٰی۔ [1]

مسجد کے علاوہ شہر کی تمام مساجد کا بند ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ صرف ایک جامع مسجد ہی میں ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے ''الدرُّ المختار'' کی تعددِ جمعہ سے متعلق عبارت کی شرح کرتے ہوئے ''ردُّ المحتار'' میں فرمایا کہ:

''شہر کے متعدد مقامات پر علی الاطلاق جمعہ جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خواہ شہر بڑا ہو، یا بڑا نہ ہو، اور خواہ اس کی دونوں جانب میں بڑی نہر فاصل وحائل ہو، یا نہ ہو، اور خواہ وہ متعدد جمعے، دو مسجدوں میں پڑھے جائیں، یا زیادہ میں، اور فتح القدیر سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز، حاجت کے بقدر ہو، جیسا کہ سرخسی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

حنفیہ کا اصل مذہب یہی ہے، اور اسی کو ہم لیتے ہیں، کیونکہ جمعہ کے لیے فقط (عندالحنفیة) شہر ہونا شرط ہے، اورمرجوح قول، وہ ہے، جو بدائع کے حوالے سے گزرا کہ شہر میں دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں''۔انتھٰی۔ [2]

---

[1] وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع(الدرالمختار مع رد المحتار، ج۲ص۱۵۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] (قوله مطلقا) أى سواء كان المصر كبيرا أو لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقى متصلا وسواء كان التعدد فى مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسى الآتى (قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسى أن الصحيح من مذهب أبى حنيفة جواز إقامتها فى مصر واحد فى مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق لا جمعة إلا فى مصر شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين لا فى أكثر وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا بحر (قوله دفعا للحرج) لأن فى إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں بہت سے مقامات پر جمعہ کی نماز کا قائم کرنا جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ اتنے سارے مقامات پر جمعہ قائم کرنے کی بظاہر ضرورت بھی نہ ہو، اور جب ضرورت ہو، تو پھر جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

ہمارے یہاں کے سلسلۂ حنفیہ پر مشتمل متعدد اردو فتاویٰ میں بھی اسی کے مطابق حکم مذکور ہے۔

اور آج دنیا کے بڑے بڑے شہروں کے ایک ایک محلّہ میں کئی کئی مقامات پر جمعہ کی نماز قائم کی جاتی ہے، جس پر ضرورت وعدمِ ضرورت کا فرق کیے بغیر کوئی نکیر بھی نہیں کی جاتی۔

اگرچہ متعدد محققینِ حنفیہ نے تین سے زیادہ مقامات پر جوازِ جمعہ کے قول کو امام ابوحنیفہ اور صاحبین، کسی سے بھی ثابت نہ ہونے کا حکم لگایا ہے۔

لیکن اس بحث سے قطع نظر ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ عرف اور تمدنی حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر شہر میں علی الاطلاق، تعددِ جمعہ کا جواز راجح ہے، جب تک کوئی دوسرا مستقل مانع نہ ہو، وہ الگ بات ہے کہ عام حالات میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کے بجائے، بڑے اجتماعات منعقد کرنے کی کوشش زیادہ بہتر ہے۔

مگر یہ امر ہر موقع پر ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ جب عندالحنفیۃ، جمعہ قائم کرنے کا استحقاق، سلطان کو ہے، اور وہ صحتِ جمعہ کے لیے شرط ہے، خواہ شہر میں ایک جگہ جمعہ ہو، تب بھی سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے۔

تو ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کے قیام کے لیے بدرجۂ اولیٰ سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تطويل المسافة على أكثر الحاضرين ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه لا سيما إذا كان مصرا كبيرا كمصرنا كما قاله الكمال ط (قوله وعلى المرجوح) هو ما مر عن البدائع من عدم الجواز فی أكثر من موضعين (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۱۴۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

اور جس کو سلطان، جمعہ کے لیے مقرر کرے، وہ تو سلطان کا نمائندہ ہوتا ہی ہے۔

اور حاکمِ وقت اگر لوگوں کو خود سے اپنے طور پر کسی کو امام مقرر کر کے جمعہ پڑھنے کی مختلف مقامات پر اجازت دے دے، خواہ صراحتاً یا دلالتاً، وہ بھی درست ہے، جس کو آسان لفظوں میں اذنِ سلطان سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

''الدرُّ المختار'' کا حوالہ

علامہ حصکفی (المتوفیٰ: 1088ھ) ''الدرُّ المختار'' میں فرماتے ہیں کہ:

''امام کی طرف سے اذنِ عام کا ہونا بھی جمعہ صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، جو کہ آنے والوں کے لیے، جامع کے دروازے کھولنے سے حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا قلعہ کے دروازے کا دشمن سے حفاظت کی غرض سے یا پرانے رواج کے مطابق، بند کرنا مضر نہیں، کیونکہ اذنِ عام وہاں کے لوگوں کے لیے ثابت ہے، اور ایسی صورت میں قلعہ کے دروازے بند کرنا دشمن سے حفاظت کے لیے ہے، نہ کہ نماز سے منع کرنے کے لیے، البتہ اس کے باوجود، اگر دروازے بند نہ کیے جائیں، تو اچھا ہے۔

پس اگر امیرِ مصر، اپنے قلعہ میں داخل ہوا، اور اس نے اپنے ساتھیوں سمیت، اس کے دروازے کو بند کر لیا، تو جمعہ درست نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے قلعہ کے دروازے کو کھول دیا، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، تو پھر جمعہ کا پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے''۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] (و) السابع :(الإذن العام من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كافى فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلى، نعم لو لم يغلق لكان أحسن كما فى مجمع الأنهر معزيا لشرح عيون المذاهب قال :وهذا أولى مما فى البحر والمنح فليحفظ (فلو دخل أمير حصنا) أو قصره (وأغلق بابه) وصلى بأصحابه (لم تنعقد) ولو فتحه وأذن للناس بالدخول جاز وكره، فالإمام فى دينه ودنياه إلى العامة محتاج، فسبحان من تنزه عن الاحتياج(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج ۲ : ص ۱۵۲ ، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

اذنِ عام کے وہاں والوں کے لیے ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قلعہ میں جمعہ کی نماز ہونے اور وہاں قلعہ سے باہر کے لوگوں کے لیے اذنِ عام ہونے کا لوگوں کو علم ہے، اور یہ بھی علم ہے کہ نماز کے دوران حفاظتی نقطۂ نظر سے قلعہ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔

اس لیے ایسی صورت میں نماز کے دوران قلعہ کے دروازے بند کرنا، مُضِر نہیں، وہاں جمعہ کے قیام کا معلوم ہونے کی وجہ سے ہر شخص نماز شروع ہونے سے پہلے ہی حاضر ہونے کی کوشش کرے گا، تاخیر کرنا، اس کا اپنا فعل شمار ہوگا، جیسا کہ کوئی نماز ختم ہوچکنے کے بعد پہنچے، تو اس میں بھی اس کے فعل یا کوتاہی کو دخل ہوتا ہے، نماز قائم کرنے اور نماز پڑھنے والوں کا اس میں دخل نہیں ہوتا۔ [1]

”حاشیۃُ الطحطاوی علی الدرالمختار“ کا حوالہ

”حاشیۃُ الطحطاوی علی الدرالمختار“ میں ”الدرُّالمختار“ کی مذکورہ عبارت کی شرح میں ہے کہ:

> اذنِ عام اس لئے ضروری ہے کہ جمعہ اسلام کے شعائراور دین کے خصائص میں سے ہے، لہٰذا اس کو اشتہار کے طریقہ پر قائم کرنا واجب ہے، شیخ زین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] منسلکہ فتوے میں ”الدرُّ المختار“ کی مندرجہ بالا عبارت سے عجیب استدلال کیا گیا ہے، اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ جن فیکٹریوں وغیرہ میں دروازے بند رکھنے کا معمول ہے، وہاں جمعہ جائز ہے۔
حالانکہ وہاں پر باہر کے لوگوں کے لیے جمعہ میں اذنِ عام کا نہ معمول ہے، نہ لوگوں کو اذنِ عام کا معلوم ہے۔
اور مفتی صاحب موصوف، جس حیثیت سے اذنِ عام کو شرط قرار دیتے ہیں، وہ فیکٹریوں اور سرکاری وحساس اداروں وغیرہ میں متحقق نہیں، کیونکہ وہاں باہر سے جمعہ کے لیے لوگوں کے حاضر ہونے کی اجازت ومعمول ہی نہیں، نہ جمعہ شروع ہونے سے پہلے، اور نہ بعد میں۔
اور ہمارے نزدیک ان مقامات پر جوازِ جمعہ کے لیے تعددِ جمعہ کی صورت میں، بیان کردہ تعلیل کو مؤثر نہ ماننے بغیر چارہ نہیں، جیسا کہ علامہ شامی نے فرمایا، مگر مفتی صاحب موصوف، اس اصولی بات سے تو اتفاق کرتے نہیں، اور اس کو علامہ شامی کا تفرد سمجھتے ہیں، اور پھر اِدھر اُدھر کی بے تکی باتیں کرتے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

www.idaraghufran.org

اور اِذنِ عام کے الفاظ سے اِذنِ خاص سے احتراز کیا ہے۔

اور جس طرح امام یعنی سلطان کی طرف سے اِذن ضروری ہے، اسی طرح اس کے اس نائب کی طرف سے بھی ضروری ہے، جسے امام کی طرف سے جمعہ قائم کرنے کا اختیار ہو۔

لیکن صریح اِذن ضروری نہیں۔

اگر شہر کے لوگ قلعہ کے اندر جمعہ پڑھیں، اور دروازہ بند ہونے سے پہلے سب اس میں داخل ہو جائیں، تو پھر جمعہ جائز ہوگا۔

اور اگر دروازہ، نمازیوں کے لیے بند نہ کیا جائے، بلکہ قدیم عادت ورواج کی وجہ سے، یا دشمن سے حفاظت کی وجہ سے بند کیا جائے، تو نمازِ جمعہ جائز ہے، بلکہ دشمن سے حفاظت کی وجہ سے دروازے کا بند کرنا واجب ہوگا۔

اور اگر سلطان نے دروازہ تو بند نہیں کیا، اور کسی کو منع بھی نہیں کیا، لیکن اس طرح نمازِ جمعہ پڑھا کہ لوگوں کو اس کے جمعہ کا علم نہ ہوا، تو بھی اس کا جمعہ درست نہ ہوگا"۔انتھٰی۔[1]

---

[1] (قولہ : الإذن العام) لانها من شعائر الإسلام، وخصائص الدين، فيجب اقامتها على سبيل الاشتهار، ذكره الشيخ زين ، واحترز بالعام عن الاذن الخاص بجماعة فيه، لا تصح اقامتها.

(قوله: من الامام) مثله نائبه الذى يملك اقامتها.

(قوله: وهو يحصل الخ) أشار به إلى أنه لا يشترط صريح الإذن.

(قوله: للواردين) أى من المكلفين بها ، فلا يضر منع نحو النساء لخوف الفتنة .

(قوله :فلا يضر) تفريع على التقييد بالجامع.

(قوله :مقرر لاهله) حتى لو أرادوا الصلاة داخلها ، ودخلوها جميعا قبل الغلق، لم يمنعوا.

(قوله: بمنع العدو) أى أو للعادة ، والباء للسببية ، وفى نسخة باللام.

(قوله: لكان أحسن) هذا إذا كان القفل للعادة القديمة ، أما إذا كان لمنع عدو ، يخشى دخوله ، وهم فى الصلاة، فالظاهر وجوب الغلق، اهـ ، حلبى.

(قوله: وهذا أولى مما فى البحر) من أنه إذا أغلق أبواب الحصن، وصلى بعسكره، وأهله ، لايجوز، وهو الذى نقله المصنف بعدو، وجه الاولوية أنه اطلاق فى محل التقييد، فلا بد من حمله على ما اذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لوگوں کے سلطان کے نمازِ جمعہ قائم کرنے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا نمازِ جمعہ، دروازہ بند کرنے کی طرح درست نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ جب تک لوگوں کو علم نہ ہوگا، تو لوگوں کو اپنا فریضۂ جمعہ اداء کرنے کا حق حاصل کرنے کا بھی موقع نہ ہوگا، اور سلطان کا یہ عمل لوگوں کے فوتِ جمعہ کا سبب بنے گا، نوادر کی اصل روایت میں بھی عدمِ علم ہی کا ذکر ہے، جس کی تفصیل پہلے متعدد مرتبہ گزر چکی ہے۔

''ردُّ المحتار'' کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی نے''الدرُّالمختار''کی مندرجہ بالا عبارت کی شرح کرتے ہوئے ''ردُّ المحتار''میں فرمایا کہ:

> ''اذنِ عام سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو عام اجازت دے دی جائے، جن لوگوں کا جمعہ پڑھنا صحیح ہو، ان میں سے کسی کو اس مقام میں داخل ہونے سے منع نہ کیا جائے، جس مقام میں جمعہ کی نماز پڑھی جا رہی ہے۔
>
> لیکن اس شرط کا حنفیہ کی''ظاھرُ الروایۃ''میں ذکر نہیں، اسی وجہ سے ''الھدایۃ''میں بھی اس کا ذکر نہیں، البتہ یہ''النوادر''میں مذکور ہے''کنز اور الوقایۃ اور النقایۃ اور الملتقیٰ''اور (دیگر حنفیہ کی) بہت سی معتبر کتابوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منع الناس من الصلاۃ، حلبی.

(قولہ: لم تنعقد) یحمل علی ما إذا منع الناس لا ما إذا کان لمنع عدو، أو لقدیم عادۃ، وقد مر.

(قولہ: وکرہ) لانہ لم یقض حق المسجد الجامع، منح، وفیھا وان صلاھا فی الجامع الا انہ أغلق باب المقصورۃ، ولم یاذن للناس اختلفوا فیہ، وکذا لو جمع فی قصرہ بحشمہ، ولم یغلق الباب، ولم یمنع أحدا الا أن الناس، لم یعلموا بذلک، تمرتاشی.

(قولہ: الی العامۃ محتاج) کاحتیاج العامۃ الیہ، بحر.

(قول: فسبحان من تنزہ عن الإحتیاج) بل کل أحد الیہ یحتاج، نھر (حاشیۃ الطحاوی علی الدرالمختار، ج ا ص ۳۴۴، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ)

www.idaraghufran.org

میں اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور امام کی طرف سے اذنِ عام کی قید، آنے والے قلعہ کی مثال کی وجہ سے لگائی گئی ہے، ورنہ تو اجازت کا اعتبار اس جمعہ کو قائم کرنے والے کی طرف سے ہے، خواہ وہ امام ہو، یا اس کی طرف سے متعین کردہ نائب وقیم (لان السلطان او نائبه شرط، لصحة الجمعة، عند الحنفية)

اور اذنِ عام کے لیے صریح اجازت شرط نہیں۔

اور قلعہ میں آنے کی اجازتِ عام کا اعتبار ان لوگوں کے لیے ہے، جو جمعہ کے مکلّف ہیں، لہٰذا عورتوں کو منع کرنا مضر نہیں۔

اور قلعہ کے دروازے، دشمن کی وجہ سے بند کرنے کی صورت میں اذنِ عام اس لیے موجود ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز شروع کرنے سے پہلے، شہر کے ہر نماز پڑھنے والے کے لیے دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، اور باعثِ ضرر، نمازیوں کو منع کرنا ہے، نہ کہ دشمن کو منع کرنا۔

اور اجازتِ عام مصر والوں کے لیے ہونی چاہیے، جس میں تمام شہر کے مکلّف لوگ داخل ہیں، صرف قلعہ والوں کے لیے اجازت کافی نہیں، جیسا کہ ''بدائع'' کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کے وقت بھی دروازوں کو بند کرنا، درست نہیں، کیونکہ نماز کی حالت میں دروازوں کو بند کرنے سے بھی نمازِ جمعہ کے لیے داخل ہونے والوں کے لیے ممانعت متحقق ہوتی ہے، چنانچہ جو شخص کچھ دور دراز سے چل کر ایسے وقت پہنچا کہ جمعہ کھڑا ہو چکا تھا، تو اس وقت دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اس کا جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔

اور میں کہتا ہوں کہ نماز کے دوران، دروازے بند کرنے کی صورت میں مذکورہ

اختلاف کا اس صورت میں ہی پایا جانا مناسب ہے، جبکہ شہر میں ایک ہی مقام پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، لیکن اگر شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، تو پھر (بغیر اذنِ عام اور بغیر اشتہار کے) جمعہ کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہاں دروازے بند کرنے سے، جمعہ کا فوت ہونا ثابت نہیں ہوگا، جیسا کہ اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے (یعنی فقہائے کرام نے اذنِ عام کی شرط کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی خلاف ورزی سے دوسرے لوگوں کا جمعہ فوت ہوجاتا ہے)۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] (قوله الإذن العام) أى أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه .وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار، وكذا فى البرجندى إسماعيل وإنما كان هذا شرطا لأن الله -تعالى -شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله (فاسعوا إلى ذكر الله) والنداء للاشتهار وكذا تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور تحقيقا لمعنى الاسم بدائع.

واعلم أن هذا الشرط لم يذكر فى ظاهر الرواية ولذا لم يذكره فى الهداية بل هو مذكور فى النوادر ومشى عليه فى الكنز والوقاية والنقاية والملتقى وكثير من المعتبرات.

(قوله من الإمام) قيد به بالنظر إلى المثال الآتى وإلا فالمراد الإذن من مقيمها لما فى البرجندى من أنه لو أغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لا يجوز إسماعيل.

(قوله :وهو يحصل إلخ) أشار به إلى أنه لا يشترط صريح الإذن ط (قوله للواردين) أى من المكلفين بها فلا يضر منع نحو النساء لخوف الفتنة ط.

(قوله لأن الإذن العام مقرر لأهله) أى لأهل القلعة لأنها فى معنى الحصن والأحسن عود الضمير إلى المصر المفهوم من المقام لأنه لا يكفى الإذن لأهل الحصن فقط بل الشرط الإذن للجماعات كلها كما مر عن البدائع.

(قوله :وغلقه لمنع العدو إلخ) أى أن الإذن هنا موجود قبل غلق الباب لكل من أراد الصلاة، والذى يضر إنما هو منع المصلين لا منع العدو (قوله لكان أحسن) لأنه أبعد عن الشبهة لأن الظاهر اشتراط الإذن وقت الصلاة لا قبلها لأن النداء للاشتهار كما مر وهم يغلقون الباب وقت النداء أو قبيله فمن سمع النداء وأراد الذهاب إليها لا يمكنه الدخول فالمنع حال الصلاة متحقق ولذا استظهر الشيخ إسماعيل عدم الصحة ثم رأيت مثله فى نهج النجاة معزيا إلى رسالة العلامة عبد البر بن الشحنة والله أعلم (قوله :وهذا أولى مما فى البحر والمنح) ما فى البحر والمنح هو ما فرعه فى المتن بقوله فلو دخل أمير حصنا أى أنه أولى من الجزم بعدم الانعقاد.

(قوله :أو قصره) كذا فى الزيلعى والدرر وغيرهما، وذكر الوانى فى حاشية الدرر أن المناسب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

علامہ شامی کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں، اور جمعہ کے اشتہار و اعلان سے بھی، یہی اذنِ عام مراد ہے، اور جب شہر میں اجازتِ سلطان وحاکم کے ساتھ، دوسرے مقامات پر نمازِ جمعہ قائم ہو، جس کی وجہ سے سلطان وحاکم نے اپنے ساتھ اس کی ایسی تخصیص کو باقی نہ رکھا ہو، جو ابتداء میں تھی، اور تعددِ جمعہ کی صورت لوگوں میں معروف ہوگئی ہو، اور وہ یہ جان چکے ہوں کہ سلطان کی موجودگی کے بغیر بھی ان کے صحتِ جمعہ پر فرق واقع نہ ہوگا، اور ان کا فریضۂ جمعہ ادا ہوجائے گا، تو ایسی صورت میں کسی گھر، یا عمارت کے دروازے بند کرکے نمازِ جمعہ کا قائم کرنا صحیح ہے، اور اس کے صحیح ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اس میں وہ علت پائی ہی نہیں جاتی، جس کی وجہ سے اذنِ عام کو شرط قرار دیا گیا تھا۔

پہلے زمانوں میں اور بطورِ خاص، جس وقت امام محمد کی ''نادرُ الروایۃ'' وجود میں آئی، تعددِ جمعہ کا موجودہ زمانے کی طرح، دور دور تک نام ونشان نہ تھا، بلکہ ہر شہر میں ایک مقام پر ہی جمعہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

للسياق أو مصره بالميم بدل القاف .قلت :ولا يخفى بعده عن السياق .وفى الكافى التعبير بالدار حيث قال :والإذن العام وهو أن تفتح أبواب الجامع ويؤذن للناس، حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع وأغلقوا الأبواب وجمعوا لم يجز. وكذا السلطان إذا أراد أن يصلى بحشمه فى داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدتها العامة أو لا .وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز. لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذا لا يحصل إلا بالإذن العام .اهـ.

قلت :وينبغى أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا فى محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (قوله لم تنعقد) يحمل على ما إذا منع الناس فلا يضر إغلاقه لمنع عدو أو لعادة كما مر ط .قلت :ويؤيده قول الكافى وأجلس البوابين إلخ فتأمل .

(قوله وأذن للناس إلخ) مفاده اشتراط علمهم بذلك، وفى منح الغفار وكذا أى لا يصح لو جمع فى قصره لحشمه ولم يغلق الباب ولم يمنع أحدا إلا أنه لم يعلم الناس بذلك .اهـ .(قوله وكره) لأنه لم يقض حق المسجد الجامع زيلعي ودرر (قوله فالإمام إلخ) ذكره فى المجتبى(ردالمحتار،ج ٢: ص ١٥٢، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

مذکورہ عبارت میں ''وفی الکافی'' کے متعلق ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ حاکم شہید کی ''الکافی'' میں یہ عبارت موجود نہیں، البتہ ''المنتقٰی'' میں اذنِ عام سے متعلق جزئیہ کا ذکر ہے۔محمد رضوان خان۔

www.idaraghufran.org

ہوتا تھا، اس وقت تعددِ جمعہ کی صراحت اور وضاحت اور قید کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کرنے کی خاطر خواہ ضرورت نہ سمجھی گئی تھی، پھر جب علامہ شرنبلالی اور اس کے بعد علامہ شامی کے زمانے میں، حاکم کی اجازت سے تعددِ جمعہ کا باضابطہ اور عام رواج ہوگیا، تو اس کی وضاحت کردی گئی، ان حضراتِ گرامی کی طرف سے کوئی نیا حکم بیان نہ کیا گیا۔

اور علامہ شامی کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی جگہ نمازِ جمعہ کا قیام، اور اس کے لیے اذنِ عام لوگوں کو معلوم ہو، تو نمازِ جمعہ کے دوران، دروازہ کا بند کرنا، نمازِ جمعہ سے روکنے کے بجائے، کسی دوسرے مقصد سے ہو، مثلاً حفاظتی نقطۂ نظر سے، تو بعض حضرات اس صورت میں بھی جمعہ کی نماز کو درست قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ علامہ ابنِ عابدین شامی کا رجحان بظاہر اس کی طرف معلوم نہیں ہوتا، بہرحال بعض حضرات کا یہ قول موجود ہے، لیکن علامہ شامی کے نزدیک یہ اختلاف واشتباہ وغیرہ، عدمِ تعددِ جمعہ کی صورت میں ہے۔ ؎[1]

اور علامہ شامی نے جب اشتہار سے مراد بھی اذنِ عام ہونے کی تصریح کردی ہے، یعنی ان دونوں قسم کے الفاظ سے ایک ہی چیز کی تعبیر مقصود ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ جب اِذنِ عام شرط نہ ہوگا، تو اشتہار بھی شرط نہ ہوگا۔

؎[1] (قوله حتى إن أميرا لو أغلق إلخ) ينبغي حمله على ما إذا منع الناس من الصلاة وإلا فالإذن العام يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كما عزاه فى الدر المختار إلى الكافى وفيه عن مجمع الأنهر معزيا إلى شرح عيون المذاهب لا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلى نعم لو لم يغلق لكان أحسن اهـ.

وبه اندفع قول الشيخ إسماعيل وعلى اعتباره أى الإذن العام تحصل الشبهة فى صحتها فى قلعة دمشق وأضرابها حيث يغلق بابها ويمنع الناس من الدخول حال الصلاة كما هو المعتاد فيها بل الظاهر حينئذ عدم الصحة إذ لا إذن عام فيها إلا لمن فى داخلها كمن فى داخل القصر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص۱۶۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع ولا مدخل فى غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره تدبر وعند الأئمة الثلاثة لا يشترط الإذن العام (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج۱، ص۱۶۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

رہا یہ کہ نمازِ جمعہ تو شعائرِ اسلام میں سے ہے، جس کی وجہ سے اس کا اظہار واعلان ضروری ہے، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں ہے، جس میں مختلف مقامات کے ذریعہ اظہار واعلان موجود ہے، جس سے اس کے شعارِ اسلام ہونے کی صفت قائم ہے، اور اس کا فی الجملہ قائم ہونا کافی ہے، جیسا کہ آگے باحوالہ اس کا ذکر آتا ہے۔

تعدُّدِ جمعہ کی مذکورہ بالا صورت میں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگر کچھ لوگ اِذنِ عام کی شرط کے بغیر جمعہ پڑھیں، تو ان لوگوں کا اپنا جمعہ تو درست ہو جائے گا۔

لیکن جس مقام پر نمازِ جمعہ کا قیام لوگوں کو معلوم ومشہور ہو، وہاں بلا عذر اِذنِ عام نہ دینا گناہ وکراہت سے خالی نہ ہوگا، کیونکہ اس میں بلاوجہ دوسروں کو ایذاء پہنچانا اور فریضۂ جمعہ کی ادائیگی میں دشواری پیدا کرنا پایا جاتا ہے۔

مگر جس مقام پر نمازِ جمعہ کا قیام معلوم ومشہور نہ ہو، یا معلوم تو ہو، لیکن وہاں اِذنِ عام نہ ہونا معروف ومروج ہو، جیسا کہ جیل خانوں، فوجی ہیڈکوارٹروں، صدر، وزیرِ اعظم ہاؤس، اور بعض دوسرے حساس اداروں اور فیکٹریوں میں ہوتا ہے، یا اتفاق سے کوئی گھر وغیرہ میں جمعہ پڑھے، جہاں جمعہ کے قیام کا معمول نہیں، تو وہاں اِذنِ عام نہ دینا گناہ ومکروہ نہ ہوگا، پھر بھی کوئی اِذنِ عام خود سے دے، تو حرج بھی نہیں، بلکہ ایک فعلِ مستحسن شمار ہوگا، بشرطیکہ کوئی مفسدہ یا قانون شکنی وغیرہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

علامہ شامی کے موقف پر شبہات کا ازالہ

علامہ شامی کے تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں اذنِ عام کی شرط نہ ہونے کے موقف پر علامہ رافعی نے تقریراتِ رافعی میں یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ:

''علت کے انتفاء سے معلول کا منتفی ہونا لازم نہیں آتا، لہٰذا حق یہ ہے کہ کلام کو اپنے عموم پر رکھا جائے، اگرچہ وہ علت نہ پائی جائے، جس کا علامہ شامی نے ذکر کیا ہے، کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ کوئی دوسری علت پائی جارہی ہو، اور عموم کا تقاضا وہ علت بھی کرتی ہے، جو بدائع کے حوالے سے ''اشتہار'' کی ذکر کی گئی، جو کہ عمومِ حکم کا تقاضا کرتی ہے، اور فقہاء کا کہنا ہے کہ دلیلِ معین کے بطلان سے مدلول کا بطلان لازم نہیں آتا''۔انتھی۔ [1]

لیکن ہماری نظر میں خود علامہ رافعی کا شبہ ہی محلِ نظر ہے، کیونکہ حنفیہ کے ہاں، نادرُ الروایۃ کے جس جزئیہ سے اِذنِ عام کے شرط ہونے کو اخذ کیا گیا ہے، خود اس جزئیہ سے اتنا عموم ثابت نہیں ہوتا، وہ جزئیہ امیرِ مصر کی ایسی حالت سے متعلق ہے، جس میں پہلے سے اس مصر میں تعدُّدِ جمعہ کا وجود نہیں، اور خاص اور عارضی واقعہ سے تعددِ جمعہ کو وجود میں لانے اور اس کو حکمِ قضاء کا درجہ دینے اور محلِ تہمت سے بچنے کے لیے امیر کو غیر معروف جگہ، اچانک جمعہ کے قیام کی صورت میں عوام کو مطلع کرنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اور علامہ سرخسی وغیرہ نے خود اس کی علت لوگوں کے جمعہ کے فوت ہونے کی بیان کی ہے، جو

---

[1] (قوله: قلت وينبغي أن يكون محل النزاع ما اذا كانت، الخ)
لايلزم من انتفاء العلة ، انتفاء المعلول، فالحق ابقاء الكلام على عمومه وان انتفت هذه العلة التي ذكرها،لاحتمال علة اخرى، اقتضت العموم على ان ما تقدم عن البدائع من التعليل، يقتض عموم الحكم ، وقد قالوا لايلزم من بطلان الدليل المعين، بطلان المدلول(تقريرات الرافعي، ص ۱۱۲ ، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

ظاہر ہے کہ علی الاعلان تعدُّدِ جمعہ کے قیام میں مفقود ہوتی ہے، جبکہ سلطان کی طرف سے لوگوں پر یہ ظاہر ہوگیا ہو کہ سلطان نے تعدُّدِ جمعہ کا قضاءً حکم فرمادیا ہے، اوراب قضاء وقانون کی رو سے جمعہ کواس نے اپنے ساتھ خاص نہیں رکھا، جس کی وجہ سے لوگوں کودوسرے مقام پر جمعہ میں شریک ہوکر، اپنے جمعہ کوفوت ہونے سے بچانے کا انتظام موجود ہے۔

جہاں تک بدائع کے حوالے سے بیان کردہ اس علت کا تعلق ہے کہ جمعہ کواشتہار کے طریقہ پر اداء کرنا ضروری ہے، تو اولاً تو وہ متعدد مقامات پر سلطان کے حکم واِذن سے حکمِ قضاء کے ساتھ، اداء ہورہی ہے، دوسرے صاحبِ بدائع نے جس آیت سے اشتہار پر استدلال کیا ہے، اس کے متعلق علامہ شامی خودواضح فرماچکے ہیں کہ اس سے اذنِ عام ہونا ہی مراد ہے، کچھ اورنہیں، بعض دیگر حضرات سے بھی اس کی تائید ملتی ہے، اور جب اذنِ عام کی شرط کسی جگہ ضروری نہ ہوگی، تو یہ علت بھی مؤثر نہ ہوگی۔

تیسرے صاحبِ بدائع کی طرف سے مذکورہ آیت سے استدلال کا مخدوش ہونا پہلے باحوالہ گزرچکا ہے، اورآگے یہ بھی آتا ہے کہ کسی چیز کا شعار ہونا، اس کے ہرہرمقام پر اذنِ عام کے ساتھ اداء ہونے کی شرط نہیں ہوتا، ورنہ تو پنجگانہ فرض نمازوں کا باجماعت ہونا بھی شعار ہے، اذان واقامت بھی شعار ہے، قربانی اورتراویح بھی شعار ہے، ان سب عبادات کے لیے فرداً فرداً اشتہار کوکوئی بھی اس طرح ضروری قرارنہیں دیتا کہ اگرکوئی علی الاعلان نہ کرے، مثلاً گھر کے دروازے بندکرکے یہ اعمال انجام دے، جبکہ فی الجملہ شہر میں متعدد مقامات پر یہ امورانجام دیے جارہے ہوں، جن کا لوگوں کوعلم ہو، تو یہ عبادات خفیہ اداء ہی نہ ہوں گی۔

خودعلامہ کاسانی کے کلام سے بھی اس علت کا ایک مقام پر جمعہ ہونے کی صورت میں ہی مؤثر ہونا ظاہر ہوتا ہے، اورہم باحوالہ متعدد فقہائے کرام سے بحمداللہ تعالیٰ ثابت کرچکے ہیں کہ سابق ادوار میں شہر کے اندرایک ہی جامع مسجد میں جمعہ کی نمازقائم ہوتی تھی، باقی مساجد کو معطل رکھا جاتا تھا، جبکہ موجودہ زمانے میں صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔

علامہ شرنبلالی سے بھی علامہ شامی کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

لہٰذا پھر کون سی علت عدمِ صحتِ جمعہ کے لیے مؤثر اور موجود ہوگی؟ اس کو واضح کرنا ضروری ہے، اور اگر علی الاطلاق علت کے انتفاء سے حکم کا انتفاء نہ مانا جائے، تو پھر علت کو علت قرار دینا ہی درست نہ ہو، اور نظامِ شریعت درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

''فتاویٰ محمودیہ'' میں ہے کہ:

ظاہرُ الروایۃ میں اگر کوئی شیئ، بدرجۂ مسئلہ، یا بدرجۂ شرط مذکور ہو، اور اس کی علت وہاں مذکور نہ ہو، جیسا کہ عام متن ایسا ہی ہوتا ہے، اور متاخرین نے اس کی علت بیان کی ہو، اور پھر مواقعِ انتفاءِ علت میں، اس مسئلے یا شرط کے انتفاء کا حکم کر دیا ہو، تو یہ ظاہرُ الروایۃ کے خلاف نہیں (ملاحظہ ہو: فتاویٰ محمودیہ مبوب، جلد ۸ صفحہ ۵۱، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ: ادارۃ الفاروق، کراچی، تاریخِ طبع: 2005ء)

اگر مندرجہ بالا بات ظاہرُ الروایت میں مؤثر ومعتبر مانی جاسکتی ہے، تو غیر ظاہرُ الروایت میں مؤثر قرار دینے میں کون سی چیز مانع ہوگی۔

فقہائے کرام، جابجا علت کی نفی کر کے حکم کی نفی کرتے ہیں، اور علماء بلانکیر اس کو تسلیم کرتے ہیں، جبکہ علامہ شامی کی بیان کردہ علت، عباراتِ فقہاء کے معارض نہیں، بلکہ اس کی معاون اور اس کی تشریح وتوضیح ہے، علامہ شرنبلالی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اور علامہ سرخسی وغیرہ سے اس علت کی تصریح ملتی ہے۔

فلہٰذا علامہ شامی کا موقف ہی راجح ہے، اور اس پر علامہ رافعی کا شبہ زیادہ قوی ومؤثر نہیں۔

''فتاویٰ رحیمیہ'' میں بھی علامہ شامی کے موقف پر شبہ وارد کیا گیا ہے، بلکہ ان کے موقف کو مجروح قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ ''فتاویٰ رحیمیہ'' میں ہے کہ:

علامہ شامی رحمہ اللہ کی توجیہ، اکثر متون وشروح کے خلاف ہے، دوسری جگہ یا

www.idaraghufran.org

دوسری مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو، تو اذنِ عام شرط ہے، ورنہ شرط نہیں ہے، ان کی یہ تحقیق مجروح معلوم ہوتی ہے، اذنِ عام کی شرط علی الاطلاق ہے، اور یہی منشاء، شرع کے مطابق ہے، نمازِ جمعہ ایک مخصوص اور مہتم بالشان عبادت ہے، شعائرِ اسلام اور شعائرِ دین بھی ہے، اس کو دوسری عبادتوں کی طرح ادا نہ کیا جائے، نمازِ جمعہ کی چند خصوصیات ہیں، اس کے مطابق ادا کی جائے، تو صحیح ہوگی، ورنہ ظہر ادا کرنا ہوگی۔

(1) ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصر (یعنی بڑی آبادی) میں ادا کی جائے، چھوٹی آبادی اس کے شایانِ شان نہیں، اس لیے چھوٹے گاؤں میں ادا کی گئی، تو صحیح نہ ہوگی۔

(2) اجازتِ امیر (یا اس کے نائب کی) شرط ہے، بلا اجازت ادا کی گئی، تو صحیح نہ ہوگی، ظہر لازم ہے۔

(3) وقتِ ظہر میں ادا کی جائے، وقت نکل جانے کے بعد ادا کی گئی، تو صحیح نہ ہوگی، ظہر ادا کرنا لازم ہے۔

(4) خطبہ شرط ہے، بلا خطبہ ادا کی گئی، تو صحیح نہ ہوگی۔

(5) جماعت شرط ہے، بلا جماعت ادا کرنا اس کے شایانِ شان نہیں ہے، اس لیے صحیح نہ ہوگی۔

(6) اذنِ عام شرط ہے، یعنی علی الاعلان اور علیٰ سبیل الاشتہار اور علی الاظہار ادا کی جائے، چھپ کر ادا کرنا، اس کے شایانِ شان نہیں، اس لیے ادا نہ ہوگی، نمازیوں کو آنے کی روک ٹوک، اذنِ عام کے خلاف ہے، اس لیے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں ہے، صحیح نہ ہونے کی وجہ اذنِ عام کا فقدان ہے، کسی نے یہ نہیں لکھا کہ شہر میں دوسری جگہ جمعہ نہیں ہوتا، اس لیے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں، کیا جس جگہ جیل

خانہ ہوتا ہے، اس شہر میں جمعہ نہیں ہوتا ہے؟ ضرور ہوتا ہے، اور متعدد جگہ ہوتا ہے، لہٰذا اذنِ عام کی شرط مطلق ہے، دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہو، یا نہ ہوتا ہو (پھر چند فقہی عبارات نقل کرنے کے فرماتے ہیں) ان تمام عبارتوں میں اس کی تصریح ہے کہ اگر بادشاہ اپنے محل اور قلعہ میں نمازِ جمعہ پڑھے، تو صحتِ جمعہ کے لیے اذنِ عام ضروری ہے، ظاہر ہے کہ اس شہر کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ تو ہوتی ہی ہوگی، مگر اس کے باوجود قلعہ میں اقامتِ جمعہ کے لیے اذنِ عام کی شرط ہے، اور ''بدائعُ الصنائع'' کی عبارت میں تو ''وتکون الصلاۃ فی موضعین'' کی تصریح ہے، اور ''رسائلُ الارکان'' وغیرہ میں ''ان مبنی الجمعۃ علی الاشتھار'' کی صراحت ہے، لہٰذا اب تو اشکال، رفع ہوجانا چاہیے۔ فقط۔ واللہ تعالٰی أعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ، ج۶ص۸۵ الیٰ ۸۹ ملخصاً، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ و العیدین، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، تاریخِ طبع: 2003ء)

ہمیں فتاویٰ رحیمیہ کے مذکورہ فتوے سے اتفاق نہ ہوسکا، اور ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں علامہ شامی کا موقف ہی صواب اور راجح ہے، جس کی تفصیل ہمارے مذکورہ مضمون میں گزرچکی ہے۔

اذنِ عام کی شرط کے متعدد حنفیہ کی کتب میں تعددِ جمعہ اور سلطان کے اپنے لیے تخصیصِ جمعہ کی قید کے ساتھ مذکور نہیں، اور علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کی توجیہ کو زیادہ شہرت حاصل نہیں، جس کی وجہ سے کئی اردو کتابوں اور فتاویٰ میں علامہ شامی کی توجیہ کے بغیر مطلق ہی یہ مسئلہ مذکور ہے، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، تاہم اس کے باوجود علامہ شامی کی توجیہ کو اکثر متون وشروح کے خلاف قرار دینا درست نہیں۔

کیونکہ اولاً تو ہم متعدد متون وشروح کی عبارات باحوالہ پیش کرچکے ہیں، جن میں کسی جگہ بھی علامہ شامی کے معارض ومخالف کوئی تصریح نہیں، بلکہ صرف فہم کا فرق ہے۔

اور علامہ شرنبلالی کا موقف بھی ہم ذکر آئے ہیں، جو علامہ ابنِ عابدین شامی کے موافق ہے، اور بعض اردو فتاویٰ میں بھی علامہ ابنِ عابدین شامی کے اس موقف کو ہی اختیار کیا گیا ہے۔

چنانچہ امداد الاحکام میں ایک مقام پر ہے کہ:

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں صرف فلاں صاحب کے (مسجد میں جمعہ کے لیے) منع کرنے سے اذنِ عام فوت نہیں ہوا۔

اذنِ عام ایسے شخص کی ممانعت سے فوت ہوتا ہے، جس کی مخالفت پر عوام قادر نہ ہوں، مثلاً حاکمِ وقت منع کر دے۔

اور حاکمِ وقت کی ممانعت سے بھی اذنِ عام اس وقت فوت ہوتا ہے، جبکہ کسی بستی میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع کر دے۔

اور اگر کسی ایک جگہ سے منع کرے، اور دوسری جگہ سے منع نہ کرے، تو اذنِ عام فوت نہیں ہوتا، نمازِ جمعہ اس بستی کی ہر مسجد میں صحیح ہوگی۔

اور فلاں صاحب کی یہ حرکت خلافِ شرع تھی کہ ان سے چندہ وصول کرنے پر ایسا جبر کیا، اور نمازیوں کو نماز سے روکا، اس کو علانیہ اپنی حرکت سے توبہ کرنی چاہیے، اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرے۔ واللہ اعلم بالصواب، ظفر احمد عفا عنہ۔

الجواب من جامع تتمۂ امداد الاحکام:

ظاہر یہی ہے کہ صرف زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے اذنِ عام مرتفع نہیں ہوتا، الَّا آنکہ کہنے والا صاحبِ حکومت ہو، اور فعلاً منع کرنا، حاکم وغیر حاکم ہر دو کی جانب سے ہوسکتا ہے، یعنی اگر غیر حاکم بھی مسجد کا دروازہ بند کر دے، یا پہرہ زبردست دروازہ پر لگا دے، تو اذنِ عام فوت ہو جائے گا۔

اور یہ سب تفصیل جب ہے، جبکہ وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہے، اور اگر دوسری

جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو، تو بہر حال جمعہ جائز ہو جائے گا۔

فی الشامی "قلت: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا یتحقق التفویت کما أفاده التعلیل تأمل "

پس صورتِ مسئولہ میں جمعہ صحیح ہوتا رہا (امداد الاحکام، ج۱، ص ۷۸۲، ۷۸۳، کتاب الصلاة، فصل فی الجمعة والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

دوسرے اِذنِ عام کی شرط کے بارے میں خود متعدد محققینِ حنفیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ شرط سلطان، یا اُس کے نائب کے لئے ضروری ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ سلطان یا اُس کے نائب کا ہونا، عند الحنفیہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے۔

لہٰذا سلطان یا اُس کے نائب کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اِذنِ عام کے بغیر جمعہ قائم کرے، اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کا جمعہ فوت ہو جائے، اور انہیں اس کی ادائیگی کی قدرت نہ رہے۔

اِذنِ عام کے امام کی طرف سے ہونے کی اُصولی قید کے ساتھ ہی مختلف علماء نے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ [1]

---

[1] (و) السابع: (الإذن العام من الإمام (الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج ۲: ص ۱۵۲، کتاب الصلاة، باب الجمعة)

(قوله: من الامام) مثله نائبه الذی یملک اقامتها (حاشیة الطحاوی علی الدرالمختار، ج ۱ ص ۳۴۴، کتاب الصلاة، باب الجمعة)

وشرط ادائها ایضا: الإذن العام من الإمام (شرح العینی علی الکنز، ج ۱ ص ۹۹، کتاب الصلاة، باب فی بیان احکام صلاة الجمعة، مطبوعة: ادارة القرآن، کراتشی، الباکستان، الطبعة الاولیٰ: 2004ء)

(الإذن العام) من الإمام (النهر الفائق شرح کنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۶۰، ۳۶۱، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

الإذن العام من الإمام -الحاکم- فلا تصح الجمعة فی مکان یمنع منه بعض المصلین فلو أقام الإمام الجمعة فی داره بحاشیته وخدمه فإنها تصح مع الکراهة ولکن بشرط أن یفتح أبوابها ویأذن للناس بالدخول فیها ومثلها الحصن والقلعة علی أنه لا یضر إغلاق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور ''نادرُ الروایۃ'' کا وہ جزئیہ، جس سے اذنِ عام کی شرط کو اخذ کیا گیا ہے، وہ بھی بنیادی طور پر حاکم سے متعلق ہے، اور عدمِ تعددِ جمعہ کی صورت پر مبنی ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

اور مسجون وغیرہ ہی کے متعلق جماعتِ ظہر کی کراہت کی علتوں کے ضمن میں متعدد حوالہ جات کی روشنی میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس کی بنیادی وجہ عدمِ تعددِ جمعہ کا ہونا ہی ہے، نہ کہ اذنِ عام کا نہ ہونا، سابق زمانوں میں حکمرانوں کی طرف سے جیل خانے تو کیا، شہر کی جامع مسجد کے علاوہ دوسری تمام مساجد کو بھی مقفل رکھا جاتا تھا، اور وہاں بھی کسی کو جمعہ کی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، پھر جیل خانے میں کیسے اجازت ہوگی۔

چنانچہ ''شرحُ الوقایۃ'' کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ:

> ''معذور اور مسجون کے لیے شہر میں جمعہ کے دن، جماعت سے ظہر کی نماز، جائز نہیں، کیونکہ جمعہ تمام جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے، اس لیے ایک ہی جماعت جائز ہوگی''۔انتھٰی۔ ؎[1]

نیز ''المبسوط للسرخسی، التجرید للقدوری، الدرُّ المختار، الاختیار، بدائعُ الصنائع اور البحرُ الرائق'' وغیرہ کے حوالوں سے بھی یہی تصریحات گزر چکی ہیں کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے علاوہ تمام شہر کی مسجدوں کو بند رکھا جاتا ہے، اور کسی جگہ بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحصن أو القلعة لخوف من العدو فتصح الصلاة فيها مع إغلاقها متى كان مأذونا للناس بالدخول فيها(الفقه على المذاهب الأربعة،لعبد الرحمن الجزيرى، ج ۱، ص ۵۹۵،مباحث الجمعة،شروط الجمعة)

كون الأمير أو نائبه هو الإمام، والإذن العام من الإمام بفتح أبواب الجامع للواردين عليه. اشترط الحنفية هذين الشرطين (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج ۲ ص ۱۲۹۷، الباب الثانى ، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب الخامس)

[1] (وكره ظهر معذور أومسجون بجماعة فى مصريومها)؛ لأن الجمعة جامعة للجماعات، فلا يجوز إلا جماعة واحدة(شرح الوقاية مع حاشية عمدة الرعاية ،ج۳،ص ۶۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

کسی زمانے میں ایک جامع مسجد کے علاوہ شہر میں کوئی دوسری جماعت نہیں ہوتی۔ ۱؎

اور ''نوادرُ الروایۃ'' کے جزئیہ کے ذیل میں اذنِ عام کے بعد، جمعہ کے جواز کے متعلق، جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ''یہ دو مقامات پر جمعہ کی نماز، قائم کرنے کی طرح ہو جائے گا'' اس کی توجیہ بھی پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ اس سے پہلے جمعہ ایک ہی جگہ قائم ہوتا تھا، اور یہاں یہ ایک اتفاقی واقعہ ہے، جس میں حاکم اپنی کسی ضرورت سے جمعہ کے لیے، اپنا نمائندہ مقرر کر کے، مصر سے باہر گیا، اور پھر واپس آ کر خود جمعہ پڑھنے لگا، جس کا عامۃُ الناس کو علم نہیں، تو اس صورت میں اذنِ عام کی وجہ سے ہی اس دوسرے جمعہ کو، وجود مل رہا ہے، جس میں علمِ عام واجازتِ عام کے بغیر حاکم کا دوسری جگہ جمعہ پڑھنا، دراصل اپنے لیے فیصلہ کرنا ہے، جو کہ جائز نہیں، اور جب وہ عوام کو مطلع کر دیتا ہے، تو جمعہ کے قیام کا یہ فیصلہ عوام ورعایا کے لیے ہونے کی وجہ سے مؤثر ومعتبر ہو جاتا ہے۔

اور جہاں پہلے سے بحکمِ قضاء، تعددِ جمعہ کو وجود حاصل ہے، اور حاکم کی طرف سے جمعہ کی اپنے لیے تخصیص موجود نہیں، وہ صورت اس سے خارج ہے۔

اور اگر سلطان کی طرف سے شہر کے مختلف مقامات پر لوگوں کو اپنے طور پر امام مقرر کر کے

۱؎ ولأن الناس أغلقوا أبواب المساجد فی وقت الظهر يوم الجمعة فی الأمصار (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج۲،ص ۳۵،باب صلاة الجمعة)

أن الناس فی سائر الأعصار يغلقون المساجد يوم الجمعة (التجريد للقدوری، ج۲،ص ۴۹۸، كتاب الصلاة،يكره للمعذور أن يصلی الظهر يوم الجمعة فی جماعة)

(وكره) تحريما (لمعذور ومسجون) ومسافر (أداء ظهر بجماعة فی مصر) قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع (الدر المختار،ص ۱۱۰،باب :الجمعة)

وقد جرى التوارث فی جميع الأمصار والأعصار بغلق المساجد وقت الجمعة (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۸۴ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

جرى التوارث بإغلاق أبواب المساجد فی وقت الظهر يوم الجمعة فی الأمصار (بدائع الصنائع، ج ۱ ،ص ۲۷۰،فصل صلاة الجمعة،فصل بيان ما يستحب فی يوم الجمعة وما يكره فيه)

وأشار المصنف إلى أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع لئلا يجتمع فيها جماعة كذا فی السراج الوهاج.(البحرالرائق، ج۲ص ۱۶۶ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

نمازِ جمعہ قائم کرنے کی دلالۃً اجازت دیدی گئی ہو، جیسا کہ ملکِ پاکستان وغیرہ میں اس طرح کی صورتِ حال ہے، یا کسی جگہ مسلمانوں کی حکومت ہی نہ ہو، اور وہاں لوگ خود سے جگہ جگہ جمعہ قائم کرتے ہوں، تو ان حالات میں ہر جگہ جمعہ کے لئے اِذنِ عام ضروری نہیں رہتا، کیونکہ وہاں جمعہ کی سلطان، یا اُس کے نائب کی طرف سے اپنے لئے کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی، اور نہ ہی غیر مسلم حکمران کی طرف سے اذن ہونا نہ ہونا، اس میں معتبر ہے۔

سلطان، یا اس کے نامزد کردہ نمائندہ کے اذنِ عام کے بغیر، نمازِ جمعہ قائم کرنے کی صورت میں اس کی نمازِ جمعہ کی عدمِ صحت تو معقول ہے، بالخصوص جبکہ تعددِ جمعہ کو ناجائز قرار دیا جائے، یا سلطان کے نمازِ جمعہ پڑھ لینے کے بعد دوسروں کو خود کسی کی اقتداء میں نمازِ جمعہ پڑھنے کو غیر درست قرار دیا جائے۔

لیکن غیر سلطان، یا اس کے غیر مجاز کی نمازِ جمعہ کی عدمِ صحت کی وجہ، اذنِ عام نہ ہونا، فہم سے بالاتر ہے، اس کی اصل وجہ اذنِ سلطان نہ ہونا ہی ہے، اور اگر سلطان کی طرف سے صراحتاً، یا دلالتاً، متعدد مقامات پر اپنے طور پر امام مقرر کر کے نمازِ جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی ہو، تو پھر ان کے جمعہ کو غیر صحیح کہنا، غیر معقول بھی ہے، اور غیر منقول بھی۔

رہا جمعہ کے شعائرِ اسلام اور شعائرِ دین ہونے کی وجہ سے علی الاعلان، یا علی سبیل الاشتہار اور علی الاظہار اداء کرنے کو شرط قرار دینا، تو اس سے بھی علی الاطلاق اتفاق نہیں، کیونکہ جب قضاءً تعددِ جمعہ کا وجود ہو، اور فی الجملہ علی الاعلان اس کی ادائیگی ہو رہی ہو، تو ہر مقام کے لئے یہ شرط ضروری نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ متعدد حنفیہ نے عدمِ تعددِ جمعہ کے قول کی دلیل ہی میں اس علت کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ گزرا، ورنہ تو اذان، اقامت اور پنجگانہ نماز باجماعت وغیرہ بھی شعائرِ اسلام اور شعائرِ دین میں سے ہیں، ان کے لئے بھی ہر جگہ اس طرح کا اِذنِ عام شرط ہونا چاہئے تھا، جس کا کوئی بھی قائل نہیں، بلکہ اس کے لئے فی الجملہ اظہار کافی ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''ردُّ المحتار'' میں فرمایا کہ:

''شعائر، علامات کو کہا جاتا ہے۔

www.idaraghufran.org

’’معراجُ الدراية ‘‘میں فرمایا کہ شرعی اعتبار سے ان عبادات کو کہا جاتا ہے، جو ’’علی سبیل الاشتهار ‘‘اداء کی جاتی ہیں، جیسا کہ اذان، اور جماعت، اور جمعہ، اور نمازِ عید، اور قربانی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ’’شعائر‘‘ ایسی چیزوں کو کہا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ طاعت کی نشانی ہوں‘‘۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں جمعہ کی طرح اذان، باجماعت، پنجگانہ نمازوں اور قربانی کو بھی شعائر قرار دیا گیا ہے، اور ان عبادات کی شہروں میں متعدد مقامات پر ادائیگی کی صورت میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی کہ ہر فرد و جماعت سب کے سامنے علی الاعلان، اذنِ عام کے ساتھ یہ عبادات سرانجام دے۔

اور’’الموسوعة الفقهية الكويتية‘‘میں ہے کہ:

’’شعائر، شعيرة کی جمع ہے، جس کے معنیٰ علامت کے آتے ہیں، اور جب شعائر کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے، تو اس سے دین کے اعلام مراد ہوتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے، پس ہر وہ عمل جو اللہ کے دین کے اعلام میں سے اور اس کی طاعت میں داخل ہو، وہ ’’شعائرُ اللّٰه‘‘ ہے۔

چنانچہ نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور ان کے مناسک ومواقیت، اور اقامتِ جماعت و اقامتِ جمعہ’’فی مجاميع المسلمين فی البلدان و القریٰ‘‘اور اذان اور مساجد کا قیام، یہ سب اعمال’’شعائرُ اللّٰه ‘‘اور’’اعلام طاعة اللّٰه‘‘میں سے ہیں‘‘۔انتھیٰ۔ [2]

---

[1] الشعائر :العلامات كما فی القاموس ح .قال فی معراج الدراية :وشرعا ما يؤدى من العبادات علـى سبيل الاشتهار كالأذان والجماعة والجمعة وصلاة العيد والأضحية .وقيـل هى ما جعل علما على طاعة الله تعالى .اهـ(رد المحتار على الدر المختار،ج ا ،ص ۲۲،مقدمة)

[2] شعائر:التعريف:

الشعائر :جمع شعيرة :وهى العلامة :مـأخوذ من الإشعار الذى هو الإعلام، ومنه شعار الحرب وهو ما يسم العساكر علامة ينصبونها ليعرف الرجل رفقته .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

”اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اسلام کے ظاہری شعائر کو قائم کریں، اوران کا اظہار کریں، خواہ وہ شعائر فرض درجے کے ہوں، یا سنتِ مؤکدہ درجے کے ہوں، اوراسی وجہ سے اگراہلِ بلد، اہلِ قریہ، یا اہلِ محلّہ، کسی شعیرۂ اسلام کے ترک پر متفق ومجتمع ہوجائیں، تو وہ قتال کے مستحق ہوجاتے ہیں“۔انتھیٰ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا أضيفت شعائر إلى الله تعالى فهى " :أعلام دينه التى شرعها، الله فكل شيء كان علما من أعلام طاعته فهو من شعائر الله ."

والاصطلاح الشرعي في (شعائر الله) لا يخرج عن المعنى اللغوى.

فكل ما كان من أعلام دين الله وطاعته تعالى فهو من شعائر الله، فالصلاة، والصوم والزكاة والحج ومناسكه ومواقيته، وإقامة الجماعة والجمعة في مجاميع المسلمين في البلدان والقرى من شعائر الله، ومن أعلام طاعته .والأذان وإقامة المساجد والدفاع عن بيضة المسلمين بالجهاد في سبيل الله من

شعائر الله .قال تعالى :(إن الصفا والمروة من شعائر الله) .والآية بعد الأمر بالصلاة، والزكاة في أكثر من آية من السورة وبعد ذكر الصبر والقتل في سبيل الله -وهو الجهاد لإقامة دين الله -تفيد أن السعي بين الصفا والمروة من جملة شعائر الله، أى أعلام دينه.

وكذلك قوله تعالى :(والبدن جعلناها لكم من شعائر الله)

وكذلك المراد في قوله تعالى :(ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب)، أى معالم دين الله، وطاعته .وتعظيمها :أداؤها على الوجه المطلوب شرعا.

وقيل :المراد منها العبادات المتعلقة بأعمال النسك، ومواضعها، وزمنها .وقيل :المراد منها الهدى خاصة .وتعظيمها :استسمانها .قاله ابن عباس .والإشعار عليها :جعل علامة على سنامها؛ بأن يعلم بالمدية ليعرف أنها هدى فيكون ذلك علما على إحرام صاحبها وعلى أنه قد جعلها هديا لبيت الله الحرام فلا يتعرض لها .

قال تعالى :(يا أيها الذين آمنوا لا تحلوا شعائر الله ولا الشهر الحرام)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦،ص٩٧،مادة"شعائر")

[1] الحكم التكليفى:

يجب على المسلمين إقامة شعائر الإسلام الظاهرة، وإظهارها، فرضا كانت الشعيرة أم غير فرض.

وعلى هذا إن اتفق أهل محلة أو بلد أو قرية من المسلمين على ترك شعيرة من شعائر الإسلام الظاهرة قوتلوا، فرضا كانت الشعيرة أو سنة مؤكدة، كالجماعة في الصلاة المفروضة والأذان لها .وصلاة العيدين وغير ذلك من شعائر الإسلام الظاهرة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس سے معلوم ہوا کہ بعض سنت درجہ کی چیزیں بھی شعائرِ اسلام سے تعلق رکھتی ہیں۔ ل
چنانچہ فقہائے کرام نے مساجد میں جماعت قائم کرنے اور اذان دینے کو بھی، شعائرِ اسلام میں شمار کیا ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لأن ترک شعائر الله يدل على التهاون فى طاعة الله، واتباع أوامره.
هذا ومن شعائر الإسلام مناسک الحج كالإحرام والطواف والسعى والوقوف بعرفة والمزدلفة ومنى وذبح الهدى وغير ذلک من أعمال الحج الظاهرة، ومن الشعائر فى غير الحج :الأذان، والإقامة، وصلاة الجماعة، والجمعة والعيدين، والجهاد وغير ذلک.
وتنظر أحكام كل منها فى مصطلحه من الموسوعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦، ص ٩٩، مادة"شعائر")
ويختلف العدد بالنسبة لإظهار الشعيرة فى البلدة أو القرية؛ إذ أن صلاة الجماعة من شعائر الإسلام، ولو تركها أهل قرية قوتلوا عليها، ولذلک قال المالكية :قوتلوا عليها لتفريطهم فى الشعيرة، ولا يخرج أهل البلد عن العهدة إلا بجماعة أقلها ثلاثة :إمام ومأمومان، ومؤذن يدعو للصلاة، وموضع معد لها، وهو المسجد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ١٧٠،مادة"صلاة الجماعة")

ل أما غير الواجبات من العبادات وهو ما يسمى مندوبا أو سنة أو نافلة فهو ما يثاب فاعله ولا يذم تاركه، وهذا على الجملة؛ لأن من السنة ما يعتبر إظهارا للدين، وتركها يوجب إساءة وكراهية، وذلک كالجماعة والأذان والإقامة وصلاة العيدين؛ لأنها من شعائر الإسلام، وفى تركها تهاون بالشرع، ولذلک لو اتفق أهل بلدة على تركها وجب قتالهم بخلاف سائر المندوبات؛ لأنها تفعل فرادى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢،ص ٣٣٩،مادة"أداء")

۲ صلاة الجماعة فى المساجد وإقامة الأذان فيها للصلوات من شعائر الإسلام، وعلامات متعبداته التى فرق بها رسول الله صلى الله عليه وسلم بين دار الإسلام ودار الشرک، فإذا اجتمع أهل محلة أو بلد على تعطيل الجماعات فى مساجدهم، وترک الأذان فى أوقات صلواتهم، كان المحتسب مندوبا إلى أمرهم بالأذان والجماعة فى الصلوات، وهل ذلک واجب عليه
يأثم بتركه، أو مستحب له يثاب على فعله، على وجهين من اختلاف الفقهاء فى اتفاق أهل بلد على ترک الأذان والجماعة، وهل يلزم السلطان محاربتهم عليه أم لا؟
فأما من ترک صلاة الجماعة من آحاد الناس أو ترک الأذان والإقامة لصلاته، فلا اعتراض للمحتسب عليه إذا لم يجعله عادة وإلفا، لأنها من الندب الذى يسقط

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بلکہ فقہائے کرام نے مستقل طور پر اذان کو بھی خصائصِ اسلام اور دین کے شعائرِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے، بعض نے جمعہ کی اذان کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔ [1]

اور متعدد فقہاء نے اذان میں رفعِ صوت کو واجب قرار دیا ہے، وہ بھی جبکہ غیر حاضرین کو اعلان مقصود ہو، لیکن جو اپنے ساتھ موجود حاضرین کے لیے اذان دے، اس کے لیے بقدرِ ضرورت رفعِ صوت کو کافی قرار دیا ہے، جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک رفعِ صوت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالأعذار، إلا أن يقترن به استرابة، أو يجعله إلفا وعادة ويخاف تعدى ذلك إلى غيره فى الاقتداء به، فيراعى حكم المصلحة به فى زجره عما استهان به من سنن عبادته، ويكون وعيده على ترك الجماعة معتبرا بشواهد حاله، كالذى روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :لقد هممت أن آمر فتيانى أن يستعدوا إلى بحزم من حطب، ثم آمر رجلا يصلى بالناس ثم تحرق بيوت على من فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۷، ص ۲۴۸، مادة”حسبة “)

[1] اتفق الفقهاء على أن الأذان من خصائص الإسلام وشعائره الظاهرة، وأنه لو اتفق أهل بلد على تركه قوتلوا، ولكنهم اختلفوا فى حكمه، فقيل :إنه فرض كفاية، وهو الصحيح عند كل من الحنابلة فى الحضر والمالكية على أهل المصر، واستظهره بعض المالكية فى مساجد الجماعات، وهو رأى للشافعية ورواية عن الإمام أحمد .كذلك نقل عن بعض الحنفية أنه واجب على الكفاية، بناء على اصطلاحهم فى الواجب .

واستدل القائلون بذلك بقول النبى صلى الله عليه وسلم :إذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم ، والأمر هنا يقتضى الوجوب على الكفاية؛ ولأنه من شعائر الإسلام الظاهرة، فكان فرض كفاية كالجهاد وقيل :إنه سنة مؤكدة وهو الراجح عند الحنفية، والأصح عند الشافعية وبه قال بعض المالكية للجماعة التى تنتظر آخرين ليشاركوهم فى الصلاة، وفى السفر على الصحيح عند الحنابلة، ومطلقا فى رواية عن الإمام أحمد، وهى التى مشى عليها الخرقى .واستدل القائلون بذلك بقول النبى صلى الله عليه وسلم للأعرابى المسيء صلاته :افعل كذا وكذا ولم يذكر الأذان مع أنه صلى الله عليه وسلم ذكر الوضوء واستقبال القبلة وأركان الصلاة .وعلى كلا الرأيين لو أن قوما صلوا بغير أذان صحت صلاتهم وأثموا، لمخالفتهم السنة وأمر النبى صلى الله عليه وسلم.

وقيل هو فرض كفاية فى الجمعة دون غيرها وهو رأى للشافعية والحنابلة؛ لأنه دعاء للجماعة، والجماعة واجبة فى الجمعة، سنة فى غيرها عند الجمهور (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۳۵۷، مادة”أذان “)

www.idaraghufran.org

بالاذان، سرے سے ہی سنت ہے۔ [1]

اسی طرح فقہائے کرام نے نماز باجماعت کے لیے اقامت کو بھی شعائرِ اسلام میں شمار کیا ہے۔ [1]

---

[1] أوجب الشافعية والحنابلة رفع الصوت بالأذان؛ ليحصل السماع المقصود للأذان، وهو كذلك رأى للحنفية، وهذا إذا كان الغرض إعلام غير الحاضرين بصلاة الجماعة، أما من يؤذن لنفسه أو لحاضر معه فلا يشترط رفع الصوت به إلا بقدر ما يسمع نفسه أو يسمعه الحاضر معه، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم لأبى سعيد الخدرى إنى أراك تحب الغنم والبادية، فإذا كنت فى غنمك وباديتك فأذنت بالصلاة فارفع صوتك بالنداء ، فإنه لا يسمع مدى صوت المؤذن جن ولا إنس إلا شهد له يوم القيامة وهو سنة عند المالكية وهو الراجح عند الحنفية، فإن النبى صلى الله عليه وسلم قال لعبد الله بن زيد :علمه بلالا فإنه أندى وأمد صوتا منك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص٣٦٥، مادة"أذان")

[1] فى حكم الإقامة التكليفى رأيان:

الأول :أن الإقامة فرض كفاية إذا قام به البعض سقط عن الآخرين، وإذا ترک أثموا جميعا.

قال بهذا الحنابلة، وهو رأى لبعض الشافعية فى الصلوات الخمس، ولبعض آخر للجمعة فقط .وهو رأى عطاء والأوزاعى، حتى روى عنهما أنه إن نسى الإقامة أعاد الصلاة، وقال مجاهد :إن نسى الإقامة فى السفر أعاد، ولعله لما فى السفر من الحاجة إلى إظهار الشعائر.

واستدل للقول بأنها فرض كفاية بكونها من شعائر الإسلام الظاهرة، وفى تركها تهاون، فكانت فرض كفاية مثل الجهاد.

الثانى :أن الإقامة سنة مؤكدة، وهو مذهب المالكية، والراجح عند الشافعية، وهو الأصح عند الحنفية، وقال محمد بالوجوب، ولكن المراد بالسنة هنا السنن التى هى من شعائر الإسلام الظاهرة، فلا يسع المسلمين تركها، ومن تركها فقد أساء ، لأن ترک السنة المتواترة يوجب الإساءة وإن لم يكن من شعائر الإسلام، فهذا أولى، وفسر أبو حنيفة السنية بالوجوب، حيث قال فى التاركين :أخطئوا السنة وخالفوا وأثموا، والإثم إنما يلزم بترک الواجب .واحتجوا للسنية بقوله صلى الله عليه وسلم للأعرابى المسىء صلاته :افعل كذا وكذا .ولم يذكر الأذان ولا الإقامة مع أنه صلى الله عليه وسلم ذكر الوضوء واستقبال القبلة وأركان الصلاة، ولو كانت الإقامة واجبة لذكرها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص٦، مادة"إقامة")

www.idaraghufran.org

اور تراویح بھی متعدد فقہاء کی تصریح کے مطابق دینِ ظاہرۃ کے اعلام سے تعلق رکھتی ہے۔ [1]

اسی طرح ختنہ کو بھی متعدد فقہاء نے شعائرِ اسلام قرار دیا ہے، لیکن اس کو بھی کوئی نہیں کہتا کہ سب کے سامنے علی الاعلان، یا علیٰ سبیل الاشتہار کرنا ضروری ہے۔ [2]

اور بعض شعائر ایسے ہیں کہ اُن میں اظہار سنت یا مستحب ہوتا ہے، جیسا کہ تلبیہ، حج کا شعار ہے، لیکن اس کا رفعِ صوت کے ساتھ اظہار شرط نہیں، بلکہ رفعِ صوت سنت ومستحب ہے، وہ بھی مرد کے لیے۔ [3]

---

[1] اتفق الفقهاء على سنية صلاة التراويح، وهى عند الحنفية والحنابلة وبعض المالكية سنة مؤكدة، وهى سنة للرجال والنساء ،وهى من أعلام الدين الظاهرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص١٣٧ ،مادة"صلاة التراويح")

[2] اختلف الفقهاء فى حكم الختان على أقوال:

القول الأول:

ذهب الحنفية والمالكية وهو وجه شاذ عند الشافعية ، ورواية عن أحمد :إلى أن الختان سنة فى حق الرجال وليس بواجب .وهو من الفطرة ومن شعائر الإسلام، فلو اجتمع أهل بلدة على تركه حاربهم الإمام، كما لو تركوا الأذان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩ ،ص٢٧ ،مادة"ختان ")

[3] حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِى لَبِيدٍ، عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْطَبٍ، عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :جَاءَنِي جِبْرِيلُ، فَقَالَ :يَا مُحَمَّدُ، مُرْ أَصْحَابَكَ، فَلْيَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّلْبِيَةِ، فَإِنَّهَا مِنْ شَعَائِرِ الْحَجِّ(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢١٦٧٨)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير المطلب بن عبد الله ابن حنطب، وخلاد بن السائب -وهو ابن خلاد الأنصارى -فقد روى لهما أصحاب السنن، وهما ثقتان (حاشية مسند احمد)

عن المطلب بن عبد الله بن حنطب، قال :سمعت أبا هريرة، يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أمرنى جبريل برفع الصوت بالإهلال، فإنه من شعائر الحج(المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث ١٦٥٤)

قال الحاكم: هذه الأسانيد كلها صحيحة، وليس يعلل واحد منها الآخر، فإن السلف رضى الله عنهم كان يجتمع عندهم الأسانيد لمتن واحد كما يجتمع عندنا الآن، ولم يخرج الشيخان هذا الحديث "(مستدرك حاكم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور بعض چیزوں کا اعلان، اگرچہ نصوص کی رُو سے، مامور بہ ہے، جیسا کہ نکاح، لیکن اولاً تو نکاح پر شہادت کا قائم ہوجانا ہی ایک حیثیت سے اعلان میں داخل ہے، دوسرے اس سے اضافی اعلان مستحب ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

استحب الحنفية والشافعية والحنابلة للمحرم أن يرفع صوته بالتلبية لما روى زيد بن خالد الجهني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :جاء ني جبريل عليه السلام فقال: يا محمد مر أصحابک أن يرفعوا أصواتهم بالتلبية فإنها من شعائر الحج وقال أبو حازم: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يبلغون الروحاء حتى تبح حلوقهم من التلبية .وقال سالم :كان ابن عمر يرفع صوته بالتلبية فلا يأتي الروحاء حتى يصحل صوته ولا يجهد نفسه في رفع الصوت بها زيادة على الطاقة لئلا ينقطع صوته وتلبيته .

وذهب المالكية إلى أن التوسط فيه مندوب فلا يسره الملبى حتى لا يسمعه من يليه، ولا يبالغ فى رفعه حتى يعقره فيكون بين الرفع والخفض ولا يبالغ فى أيهما، وفى الفواكه الدوانى :هذا فى غير المسجد لأنه لا يجوز رفع الصوت فيه إلا المسجد الحرام ومسجد منى لأنهما بنيا للحج، وقيل :للأمن فيهما من الرياء .

هذا فى حق الرجال .أما النساء فإنه لا خلاف بين الفقهاء فى كراهة رفع أصواتهن بالتلبية إلا بمقدار ما تسمع المرأة نفسها أو رفيقتها، فقد روى عن سليمان بن يسار قال :السنة عندهم أن المرأة لا ترفع صوتها بالإهلال وإنما كره لها رفع الصوت مخافة الفتنة بها ومثلها الخنثى المشكل فى ذلک احتياطا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣، ص٢٦٣، مادة” تلبية“)

[1] حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، قَالَ عَبْدُ اللهِ :وَسَمِعْتُهُ أَنَا مِنْ هَارُونَ، قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الْأَسْوَدِ الْقُرَشِيُّ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :أَعْلِنُوا النِّكَاحَ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٦١٣٠)

قال شعيب الارنؤوط:حسن لغيره وهذا إسناده فيه عبد الله بن الأسود القرشي، من رجال "التعجيل"، انفرد بالرواية عنه عبد الله بن وهب، قال أبو حاتم :شيخ، وذكره ابن حبان في "الثقات"، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير عبد الله بن أحمد، فمن رجال النسائى، وهو ثقة (حاشية مسند احمد)

(وعن عائشة قالت :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-أعلنوا هذا النكاح) أى :بالبينة فالأمر للوجوب أو بالإظهار والاشتهار فالأمر للاستحباب كما فى قوله (واجعلوه فى المساجد) وهو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أو لحصول بركة المكان وينبغى أن يراعى فيه أيضا فضيلة الزمان ليكون نورا على نور وسرورا على سرور، قال ابن الهمام " :يستحب مباشرة عقد النكاح فى المسجد لكونه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پس مسلمانوں پر شعائرِ اسلام کو قائم کرنا ضروری ہے، لیکن تمام شعائر کا اظہار ضروری نہیں، یا فی الجملہ اظہار کافی ہے، علی سبیل الاٰحاد والافراد سب کے لیے ضروری نہیں۔ [1]

لہٰذا جمعہ کو شعائرِ اسلام قرار دے کر، جو تمام آحاد وافراد اور جماعتوں کے لیے اس کا اشتہار اور اذنِ عام، ضروری قرار دیا جاتا ہے، اس کا اصولِ شریعت پر انطباق ممکن نہیں، ورنہ دوسرے شعائر کے لیے بھی، اس علتِ مشترکہ کی وجہ سے، اس طرح کی قیود ضروری ہوں گی۔

جہاں تک حنفیہ کی ''نوادرُ الروایۃ'' کے ایک جزئیہ کا تعلق ہے، تو اس کا محمل ومصداق، تفصیل کے ساتھ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے، لہٰذا اس کو اپنے درجے پر رکھنا چاہیے، اور اس ایک جزئیہ کی وجہ سے اصولِ دین وقواعدِ شریعت کو متاثر نہیں کرنا چاہیے۔

اور اس ''نادرُ الروایۃ'' جزئیہ کی فقہائے کرام کی طرف سے ذکر کردہ معتبر تاویل اور مناسب محمل کو نظر انداز کرکے، فریضۂ جمعہ کو علی الاطلاق غیر درست، بلکہ بہت سی صورتوں میں غیر واجب قرار دینے کے بے باکانہ طرزِ عمل سے بچنا چاہیے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عبادة وكونه في يوم الجمعة "اه، وهو إما تفاؤلا للاجتماع أو توقع زيادة الثواب أو لأنه يحصل به كمال الإعلان(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٥،ص ٢٠٧٢، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط)

[1] ويجب على أهل بلدان دار الإسلام، وقراها من المسلمين إقامة شعائر الإسلام، وإظهارها فيها كالجمعة، والجماعة، وصلاة العيدين، والأذان، وغير ذلك من شعائر الإسلام، فإن ترك أهل بلد أو قرية إقامة هذه الشعائر أو إظهارها قوتلوا وإن أقاموها سرا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٠، ص٢٠٢، مادة"دار الإسلام")

www.idaraghufran.org

خلاصۂ کلام

اس مضمون میں شروع سے اب تک جو تفصیل ذکر کی گئی، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ منسلکہ فتوے میں بحالاتِ موجودہ، مختلف حکومتوں کی طرف سے جمعہ کے قیام کے اذنِ عام نہ ہونے کے عنوان سے، یا محدود افراد کے ساتھ مساجد وغیرہ میں دروازہ بند کرنے کی بناء پر، جمعہ کی نماز کو جو غیر درست قرار دیا گیا ہے، اور دنیا بھر کے مسالک کے مسلمانوں کو اجتماعی طور پر ترکِ جمعہ کر کے نمازِ ظہر کا حکم لگا کر، جو نمازِ جمعہ کے شعائرِ اسلامی کو معطل کرنے کی تجویز دی گئی ہے، یہ درست نہیں۔

اور ایسی صورت میں ہمارے نزدیک وہی موقف راجح ہے، جو ہم اپنے سابق مضمون میں بیان کر چکے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں عندالحنفیہ ''تعددِ جمعہ'' کا علی الاطلاق جائز ہونا راجح ہے، اور اسی پر بلانکیر عمل جاری ہے، شہروں کے اندر، جمعہ کے دن، آزاد، بالغ اور عاقل، صحت مند، مقیم مرد پر جمعہ واجب ہے، لیکن جمعہ کی نماز کے لیے جماعتِ مخصوصہ شرط ہے، لہٰذا اس کے قیام کے لیے مخصوص افراد کا اجتماع بھی شرط ہوگا، جو کہ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق، امام سمیت مجموعی طور پر چار عاقل، بالغ مرد افراد کا ہونا ہے، اور جب کسی شہر کی حدود میں کسی جگہ کم از کم اتنے مکلّف بالجمعۃ افراد موجود ہوں گے، یا اِن کو موجود ہونے کی قدرت ہوگی، تو ان پر نمازِ جمعہ واجب ہوگا، خواہ وہ مسجد کے قریب ہوں، یا دور ہوں، اور خواہ گھر میں ہوں، یا کسی دوسری عمارت میں، یا کھلے میدان میں، اور جب تک مسلم حاکم کی طرف سے اتنے افراد کے ساتھ قیامِ جمعہ کی ممانعت نہ ہوگی، تو عندالحنفیہ نمازِ جمعہ پڑھنا جائز بھی ہوگا، اور غیر حنفیہ اذنِ حاکم واذنِ عام کی شرط کو معتبر ہی نہیں مانتے۔

جبکہ غیر مسلم حکمران کی طرف سے قیامِ جمعہ کی اجازت عندالحنفیہ بھی ضروری نہیں، وہ الگ بات ہے کہ قانون شکنی اور اس کے ضرر سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

www.idaraghufran.org

اور شہر کے متعدد مقامات پر بشرائطِ صحت جمعہ قائم ہونے کی صورت میں جمعہ کے قیام والے مقام کے دروازے بند کرنا بھی جائز ہوگا۔

اور اسی اصول کی بناء پر ہم بحالاتِ موجودہ، مذکورہ تفصیل کے مطابق نمازِ جمعہ کو واجب اور صحیح قرار دیتے ہیں، اور جمعہ کے قیام پر قدرت حاصل ہونے والے اشخاص وافرد کو نمازِ جمعہ کو ترک کر کے نمازِ ظہر پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، لیکن ظہر پڑھ لینے کے باوجود، عندالحنفیۃ ان کے فریضہ کے ادا ہو جانے کا حکم بھی لگاتے ہیں۔

اور اس کے برخلاف جو بعض اہلِ علم حضرات مذکورہ تفصیل کے مطابق قیامِ جمعہ کے وجوب اور اس سے بڑھ کر صحتِ جمعہ کی نفی کر رہے ہیں، ہم ان کے قول کی حنفیہ کے اصول وقواعد اور جزئیات وتصریحات سے تائید نہیں پاتے، اس لیے ان کے قول کو عندالحنفیۃ ناقابلِ اعتبار اور ناقابلِ قبول سمجھتے ہیں۔

اور بعض حضرات، جو موجودہ حالات میں ''اذنِ عام'' کی شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے، عدمِ صحتِ جمعہ کا حکم لگا رہے ہیں، ان کے بیان کردہ دلائل سے بھی ہمیں اتفاق نہ ہوسکا، خاص طور پر اذنِ عام کی جو تعبیر وتشریح، ان حضرات کی طرف سے پیش کی جارہی ہے، اور اس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے نمازِ جمعہ کو غیر صحیح قرار دیا جارہا ہے، وہ خطاء وتسامح اور فقہائے حنفیہ کی مراد کو صحیح طرح نہ سمجھنے پر مبنی ہے، جس سے توافق ممکن نہیں۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

12/ رمضانُ المبارک/ 1441ھ 06/ مئی/ 2020 بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org